جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں

ابتدائے عیش

تصنیف و تالیف

جناب ایم اے۔ مارک صاحب

جس کو

شیخ رضی الدین قریشی نے بعد اخذ حقوقِ اشاعت دائمی

اور یس المطابع دہلی میں چھپوا کر

دفتر شاندار بک ڈپو دہلی سے شائع کیا

پہلی بار

علمِ مجلسی پر ایک نرالی کتاب پڑھیے

درسِ ادب میں ایسی مفید کتاب ابتک نہیں چھپی

اس پُرآشوب زمانہ میں جبکہ ہندوستانی تہذیب و تمدن کے بخیے مغربیت نے اڑا دیے ہیں۔ آداب و اخلاق تہذیب و تعظیم کی تعلیم نام تک کو باقی نہیں رہی - اور یہ نئی تانتی بزرگوں کا ادب - گفتگو کرنے کا سلیقہ - نشست و برخاست کے قواعد اور آداب طعام سے قطعی نا آشنا ہے - تو ضرورت تھی - کہ ادبِ اُردو کی اس کمی کو پورا کیا جائے - اور علم مجلسی پر ایسی جامع کتاب طبع ہو جس کے مفید و کار آمد ہونے میں کسی کو کلام نہ ہے - چنانچہ یہ ملحوظ نظر رکھتے ہوئے نہایت محنت و جانفشانی کیساتھ ذخیرہ مہیا کیا جسکا نام

تہذیبُ المجالس

رکھا - نیز یقین ہے کہ ایسی مفید کتاب ابتک شائع نہیں ہوئی - فہرست عنوانات ہی سے آپ کو علم ہو جائیگا کہ اس کتاب میں کیا کیا ہے اور کیسی پُر از معلومات ہے اسکے مصنف حضرت علامہ ابوالبیان آزاد مدظلہٗ ہیں جنہوں نے محنتِ شاقہ اور ان تھک کوششوں کے بعد - ملک و قوم کی خدمت کیلئے ایسی نادر و نایاب کتاب تصنیف فرمائی ہے آپ کی دیگر تصانیف بھی جس زور و شور کے ساتھ مقبول ہوئیں اظہر من الشمس ہے - یہ کتاب بھی ہاتھوں ہاتھ نکل رہی ہے - ضرورت مند اصحاب جلد توجہ کریں کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ - صاف و شفاف - قیمت صرف دس آنے ۱۰/ علاوہ محصولڈاک

فہرست عنوانات مضامین ملاحظہ ہو!

باب ۱

(۱) آداب و تعظیم کا طریقہ
(۲) فرشی سلام
(۳) درباری سلام
(۴) مجلسی سلام
(۵) ملاقاتی سلام
(۶) تقاضائی سلام
(۷) شکایتی سلام
(۸) اسلامی سلام
(۹) متعدد مصافحہ
(۱۰) بزرگوں سے مصافحہ
(۱۱) امراء و حکام سے مصافحہ
(۱۲) پُر تکلف مصافحہ
(۱۳) بے تکلف مصافحہ
(۱۴) غمگین مصافحہ
(۱۵) مزاج پرسی
(۱۶) دوستوں سے مزاج پرسی
(۱۷) عزیزوں سے مزاج پرسی
(۱۸) بزرگوں سے مزاج پرسی
(۱۹) معانقہ
(۲۰) تعظیم
(۲۱) بادشاہ کی تعظیم
(۲۲) امراء کی تعظیم
(۲۳) بزرگوں کی تعظیم
(۲۴) آداب گفتگو
(۲۵) مسکراہٹ اور خندہ پیشانی
(۲۶) سخت لہجہ کا اثر
(۲۷) چغلخوری بہتان اور جھوٹ
(۲۸) چھ مہینہ کا بچ
(۲۹) حکایت
(۳۰) نقد جھوٹ کی نرالی شان
(۳۱) کثیر الفہم اور کم سخن ہو
(۳۲) ناگوار طول بیانی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

مختلف اغراض سے متفرق موقعوں پر بوسے لیئے جانے لگے تھے۔ تاہم رامائن کی تصنیف کے وقت تک ان پر بھی پردہ پڑا ہوا تھا۔

برماہین کلیفو کے مرجانے پر اس کی ملکہ دفور غم سے جب روتی تھی۔ تو اپنے شوہر کے بوسہ ستاں لبوں کے بجائے اس کی آغوش محبت کو یاد کرتی تھی،

سیام میں راجہ کمبوڈیا کے مرنے پر اس کا باپ باف گو بیٹے کی لاش کو چومتا اور اس کی ماں زبان سے چاٹتی اور پچھاڑیں کھا کھا کر اسے روتی تھی۔ جیسے اپنے بچے کے گم ہو جانے پر گائے روتی ہو۔ مگر خود متوفی راجہ کی رانی شوہر کے ہاتھ کو ہی دیکھ دیکھ کر روتی تھی :

فاغائی قوم کی نسبت یہ روایت ہے۔ کہ ان کے ظروف میں پانی پینے کا کوئی خاص برتن نہ تھا۔ اور سرکنڈے کی نلیوں سے گلاس یا پیالے کا کام لیتے تھے۔ اگر مجبوری پیش آجائے۔ تو ایک بالغ شخص کچھ وقت تک پیاس کی شدت کو برداشت کر سکتا ہے۔ مگر بچہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بس اس کی ماں منہ میں سرکنڈے سے پانی بھر کر چڑیا کی طرح بچے کے منہ میں پانی ڈالتی تھی۔ فاغائی میں ترقی کر کے یہی شکل پیغامبر شفقت و محبت بنی مگر جذبات عشق کو یہاں بھی کوئی دخل نہ تھا۔

جس طرح چڑیا بچوں کو چونچ سے کھلاتی اور چومتی ہے۔ وحشی جانور بچوں کو منہ سے چاٹتے ہیں۔ اسی طرح قدیم زمانے میں جب ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ حسن و عشق کے لطیف جذبات ضو فگن نہ ہوئے تھے۔ اس وقت ان قوموں میں بوسہ محض والدین کی محبت کا مظہر تھا۔ انسان کی ابتدائی انفرادی حالت کو ہی لیجیئے۔ اگر بچے کو چومنا سکھلایا جائے تو چھ ماہ کی عمر کو پہنچنے سے پیشتر بغیر سکھلائے اندر دیکھے نہیں جان سکتا۔

قدیم یہودیوں میں بوسہ لینے کا عام رواج تھا۔ اور یہ اب تک ان میں جاری و زندہ ہے۔ ان میں دوست بلکہ شناسا بھی ملاقات کے وقت سلام و نیاز کے بعد ایک دوسرے کا ہاتھ، سر و شانہ چومتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں کے اسلاف میں بزرگوں کی تعظیم میں ان کے پیروں کی پشت کو بوسہ دیتے۔ اور انتہائی تعظیم کے لیے نقش قدم کو بھی چومتے تھے۔ حضرت مسیح کے ایک حواری یہوداہ اسکریوطی نے حضرت مسیح کا بوسہ لیا۔ تو اس

مین کوئی بات خلافِ معمول یا غیر رسمی نہ تھی۔ بلکہ جس طرح آجکل مصافحہ رائج ہے۔ اسی طرح بوسہ لینا اسوقت مروج تھا۔ مگر حضرت مسیح نے اس بوسہ کو رسم و رواج کے اثرات سے زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ اور اسی لیے انہوں نے یہوداہ مذکور سے دریافت کیا۔ کہ "کیا تو بنی آدم کو ایک بوسہ سے گمراہ کرنے آیا ہے؟" یہوداہ کا یہ بوسہ اسی وقت سے دغا بازی کا متعلق اور ضرب المثل ہو گیا۔ یہودیوں سے قدیم نصرانیوں مین بھی بوسہ نے رواج پایا۔ اولین عیسائیوں مین بوسہ صرف اس صورت سے رائج تھا۔ کہ جو عیسائیوں کی قلیل تعداد تھی۔ آپس مین بہن بھائیوں کی طرح مخلصانہ تعلقات تھے۔ پہلے پہل تو صرف حقیقی بہن بھائیوں مین اظہار محبت موقوف تھا۔ مگر جلد ہی اتنی وسعت ہو گئی کہ اس قلیل جماعت کے افراد جو مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے۔ گرجا کی نماز کی ملاقاتوں سے پہلے ایک دوسرے کو بوسہ دینے لگے۔ جو امن و سلامتی کا بوسہ کہا جانے لگا۔ اس وسعت سے نفاست اور محاسن کے امتیازات پیدا ہو گئے۔ اور جسطرح موجودہ زمانہ مین کاغذ کی فراہمی پر نامہائے محبت و اخلاص مستعمل ہین اسی طرح اس وقت بھی کاغذ کے فقدان پر تختیاں رائج تھیں۔ جو بسا اوقات قیمتی ہوتی تھیں۔ اور تحفوں و نذرانوں مین شامل تھیں۔ اور دست بدست منتقل ہوتی رہتی تھیں۔

یونانیوں کے کیتھولک مذہب مین "اسٹرکس" ابنک موجود ہے۔ ایسٹر کے دن اس فرقہ کے ارکان جب ملتے ہین تو ملاقات کی ابتدا مین ایک شخص کہتا ہے۔ "خداوند خدا اٹھ گیا" دوسرا جواب دیتا ہے خداوند خدا بے شک اٹھ گیا۔ اس کے بعد یہ ایک دوسرے کو چومتے ہین۔

رومن کیتھولک کے پاپائے اعظم کے خاص نعلین پر جو کشیدہ ہوتا ہے۔ اس مین صلیب کو بوسہ دیتے دکھلایا جاتا ہے۔ جو حضرت مسیح کے اُس بوسہ کی یادگار ہے جو انہوں نے صلیب کو بوسہ دیکر قائم کی تھی۔ پاپائے اعظم کے بعد جتنے اسقف اعلیٰ ہوتے ہین۔ ان کی چھوٹی انگلی مین انگشتری پہنائی جاتی ہے۔ جس کو احترام کی نیت سے بوسہ دیا جاتا ہے۔ جدید پاپا کی مسند نشینی اور اساقف اعلیٰ کے انتخاب کے بعد بیعت

کی جو رسوم ادا کی جاتی ہین۔ ان کا ایک یہ جزو بھی ہوتا ہے ! کہ جدید پاپا قرباں گاہ کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اور تمام کارڈنیل (یا دوسرے درجہ کے پاپا جن مین سے پاپا اعظم کا انتخاب عمل مین آتا ہے۔) دو زانو ہو کر اسکو سجدۂ تعظیم کرتے ہین۔ پھر پاپا مذکور اشارہ کرتا ہے تو یہ سر اٹھاتے ہین۔ سر اٹھانے کے بعد یہ ساجدین کفش مذکور کی اسی صلیب و بوسہ کی کشیدہ تصویر کو بوسہ دیتے ہین۔ اور اس تعظیمی بوسہ کے بعد جب کھڑے ہوتے ہین۔ تو پاپا ہر ایک کی پیشانی اور رخسار کو چوم کر اپنے خاص حلقہ بگوشوں اور حواریوں مین شامل کرتا ہے۔ اس بوسہ کو ہی سلامتی اور امن کا بوسہ کہتے ہین۔

رومی سلطنت کے ابتدائی عہد مین جب رومیوس کی سلطنت تھی۔ صنفِ نازک بمنزلۂ غلام اور جائیداد منقولہ کے تصور ہوتی تہی۔ ان کے لیے شراب پینے کی اتنی سخت ممانعت تہی۔ کہ تفتیش جرم کے موقعہ پر یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ملزم نے شراب پی یا نہیں اسکے لبوں کا بوسہ لیا جاتا تہا۔ مے نوشی خواہ کسی موقع اور حالت مین کی جاتی عورتوں کے لیے مستوجبِ سزا و عذاب قرار پاتی تہی۔

لیکن جب اس رومی قوم کو مشرق کے تعیش پسند اور مخمور نشاط والیانِ سلطنت سے واسطہ پڑا۔ تو ان پر سیاسی و ملکی فتح پانے کے باوجود یہ ان کی تہذیب اور معاشرت کے تکلفات سے خود مسحور ہو گئی۔ اور ہر اس شے کو جس کا تعلق جذبات لطیفہ سے ہو سکتا تہا۔ اپنی شعار زندگی مین داخل کر لیا۔ ان تکلفات کو رومیوں مین اسدرجہ ترقی ہوئی کہ شاہ اگسٹس کے عہد سلطنت تک قطع نظر دوسرے لوازمات و جزئیات تکلف کے صرف بوسے کے ایک جزو اور طریقہ نے ان مین تکلیف دہ مداخلت اور بعض اوقات مکروہ صورت اختیار کر لی تہی۔

قدیم یونان کے درمیانی عہد مین بوس و کنار نے اسدرجہ عمومیت حاصل کر لی تہی۔ کہ اس سے روزمرہ کے مشاغل مین مداخلت ہونے لگی۔ اور جمہوریت کو قانون نافذ کرنا پڑا جس مین یہ قرار دیا۔ کہ شارع عام پر اگر کوئی مرد کسی عورت کا بوسہ لیگا۔ تو سزائے موت کا مستوجب قرار دیا جائے گا۔" مگر یونانیوں پر اس خوفناک حکم کا چنداں

اثر نہ پڑا۔

"پی سسٹراٹیس ایتھنز" کا نہایت سخت گیر بلکہ ظالم حکم تہا۔ اس کی ایک مہ جبیں اور حور تمثال شہزادی تہی۔ جس کی زلف صید گیر میں سینکڑوں دل عشاق اپنے نصیبوں کو مبتلا آلام کرکے ہجر و فراق میں تڑپتے۔ مگر طاقت فریاد اور تاب نالہ نہ رکھتے تھے۔ ایک بوسہ پر دل و جان کا سودا کوئی شاعرانہ تخیل اور محبت کی چھیڑ چھاڑ نہ تہی۔ بلکہ قانون وقت اور حقیقت واقعہ تہا۔ جس کی تکمیل کے لیے سخت گیر نہیں بلکہ رسوائے خلائق ظالم حکمران مامور تھا۔ اور جس کی سخت گیریوں سے کسی مہجور و دیوانہ کو خواب میں بہی رحم کی امید نہ کرنی چاہیے تہی۔ اور پہر ان سب پر طرہ یہ کہ یہ کافر بہی اسی ظالم کی لخت جگر اور اسی کی ستمگری عز و جاہ کی علمبردار تہی،

ایک دفعہ جب کسی شام کی تفریح میں شہزادی شارع عام پر تہی۔ تو زخمہائے جگر کی بے چینیوں سے تڑپ کر ایک سر بکف مجنوں نے اس مجسمۂ حسن کو آغوش میں لے لیا۔ اور لب ہائے نمکین کے بوسہ سے اپنے دل کے زخموں کو تازگی پہنچا کر مستحق سزا ٹھہرا۔ نوجوان مجنوں قانوناً گرفتار ہوا۔ کافر ماہ محبوبۂ شاہ یعنی ملکۂ وقت وکیل مستغیث بنی۔ اور زیر قانون اس ملزم ہنجود کی گردن زدنی کی درخواست کی!

پی سسٹر گو طبعاً نہایت ظالم شخص تہا۔ تاہم ظلم پسندی کے یہ معنی نہیں۔ کہ ظالموں کو اپنے تمام دور حیات میں ظلم سے ہی کام رہا۔ اور جذبات لطیفہ اور رحمدلی سے کبھی سروکار نہ ہوا ہو۔ تاریخ میں ایسے واقعات ہیں۔ کہ ظالموں اور غارت گروں نے اپنے اقتدار کی انتہائی منزلوں میں ہمدردی و جذبات کی ایسی مثالیں چھوڑی ہیں۔ جو ان کی طبائع کی ضد اور مخلوق میں بالکل خلاف توقع تہیں۔ لیکن ان کی سخت گیریوں کے مساوی طاقت رد عمل کی مظہر تہیں

مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ ملزم حاضر عدالت تھا۔ اسوقت وہی جاہ و حشمت کا مالک، ملکہ، وکیل، و مختار، مستغیثہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اپنی عزت اقتدار اور فرمانروائی کیساتھ ساتھ مستغیثہ اور وکیل کیساتھ شخصی رشتہ اور ذاتی حقوق کا واسطہ دیکر رحم کی سفارش میں کہنے لگا۔ کہ اگر ہم اپنے چاہنے والوں کو بھی فنا کردیں تو ان کا جو ہم سے نفرت کرتے ہونگے کیا حشر ہوگا؟"

بوسہ کے عام ہو جانے پر سلطنت روم میں بھی ایک اسی قسم کا قانون نافذ ہوا تھا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے اپنے حسن خدمات کے صلہ میں اپنے آقا کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک رکن سلطنت کی سیمتن زاہد فریب بیٹی کی سحر کاریوں سے بے تاب ہو کر جب شارع عام پر بوسہ لے لیا۔ تو حکومت کے قانون سے صدر جمہوریہ نے ملزم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے۔

جذبات لطیفہ کے نمود و نمائش کی ظاہر فریبیوں سے جب مقننین دولت نے سوسائٹی کو پاک و صاف کرنا چاہا۔ تو ان کی مجلس نے کیٹو کی صدارت میں قانوناً ایسا حکم صادر کیا جس کے ذریعہ شوہر اور بیوی کا اولاد کے سامنے باہم بوس و کنار کرنا ممنوع اور لائق سزا قرار دیا۔ رومی قانون میں تیسرے شخص کی موجودگی میں بوسہ لینا۔ ناقابل معافی جرم تھا۔ اس سلسلہ میں قانون شکنی کی تاریخ نے بڑی دلچسپ نظیریں فراہم کی ہیں۔ ایک جگہ شوہر اور زوجہ میں کہیں تنازعہ ہو گیا۔ تو بیوی نے آتش انتقام فرو کرنے کے لیے اعلان عام کر دیا۔ کہ سوائے اس کے شوہر کے ہر ولد اولاد حسن کو اس کے چمن رخسار سے گل چینی کی عام اجازت ہے۔ اعلان مذکور لائق ضبطی قرار دیا گیا۔ اور یہ عورت گرفتار کر کے حاضر عدالت کی گئی۔ عدالتی کارروائی مطابق قانون کی گئی۔ شوہر کی مخالف شہادت گذری۔ اور یہ سزا تجویز ہوئی۔ کہ بیوی کو اپنے جہیز کے اثاثہ اور شوہر کے ترکہ سے محروم کر دیا جائے۔

بوسہ کی قانونی حیثیت کی بھی ایک نظیر دینی ضروری معلوم ہوتی ہے ایک لڑکی کا منگیتر جب نزع میں تھا۔ اور اس کی منسوبہ عیادت کو گئی۔ تو نوجوان نے دم واپسیں سے پہلے دیگر تیمار داروں کی موجودگی میں اپنی منسوبہ اور محبوبہ کا بوسہ لے لیا۔ اسوقت تک رسماً یا قانوناً دونوں عقد ازدواج میں نہ آئے تھے۔ اور شادی نہ ہوئی تھی۔ لیکن نوجوان کے مرنے کے بعد لڑکی کو اسی بوسہ کی بنا پر متوفی نوجوان کی بیوہ قرار دیا گیا۔ اور اس کے ترکہ میں سے قانوناً نصف جائیداد دلائی گئی۔ بعض ممالک میں منگنی کے زمانے کے بوسے اب بھی قانونی جواز اور عدم جواز کے اثرات رکھتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ میں اشارہ بتا چکا ہوں۔ رومی سلطنت کے آخری عہد میں جب جمہوریت ملوکیت سے بدل گئی اور روما کے خشک مزاج سپاہیوں کے جذبات لطیفہ میں مشرق اور

یونان کی رنگینیاں داخل ہوگئیں۔ تو بوسے پر سے بھی قیود ہٹالی گئیں۔ "لسٹس" نے اپنی کتاب بارہ سلاطین کی سوانح میں بوسہ کی نسبت لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں بوسہ کا عمل ضبط کے درجہ تک پہونچ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے آگسٹس اور ٹائبیریس جیسے سلاطین کو اس کے علانیہ عمل پر دوبارہ پابندیاں عائد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وقت کے بوس وکنار کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شرفا اور امرا کی دعوتوں میں میزبان یا مجلس دعوت کے خاص مہمان کے نام میں جتنے حروف تہجی ہوتے تھے۔ ہر شریک دعوت مہمان کو میزبان کی کنیزوں اور نازک خادموں میں سے ہر ایک کا اتنی ہی بار بوسہ لینے کا اختیار ہوتا تھا۔

یونان کے شاعر اعظم ہومر نے اپنی تصانیف میں اڈیسس نامی ایک نواب کے تذکرے میں لکھا ہے۔ کہ اس کے ملازمین کی کثیر تعداد میں ان کے امتیازات اور مدارج بوسہ کے ذریعہ ہی قائم تھے۔ درباری مصاحب اور اعلیٰ ملازمین پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ دوسرے درجہ کے ملازمین شانہ کو۔ متوسط درجہ کے نوکر ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔ بعض کو محض مصافحہ کرنے کی اجازت تھی۔ یہ حالت ایک ذات واحد سے تخصیص نہ رکھتی تھی۔ بلکہ امرا کے طبقہ میں مقبولیت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اسی طرح رومی ملوکیت کے ابتدائی عہد میں یہ حالت تھی۔ ڈائیکلیشن نے اول اول اعزازی بوسہ کی بنا ڈالی۔ مگر اس کے بعد جب قومی ہیرو واکابرین سلطنت دربار یا مجمع عام میں پہنچتے تھے تو شیدائی بوسے لینے کے واسطے ٹوٹ پڑا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات ناگوار حوادث پیش آجاتے تھے۔ اس وقت سلطنت کی طرف سے بھی اس طریقہ اعزاز کی قدر افزائی کی جاتی تھی۔ جس طرح اسوقت حکومت کے خاص خدام اور وفاشعاروں کو خطابات سندات اور تمغہ جات سے سرفراز کرکے ان کے سینوں پر خود نائبین حکومت تمغے اور نشانات آویزاں کرتے ہیں۔ اسی طرح اسوقت بھی نائبین سلطنت وفادار خدام کو عام مجالس اور درباروں میں بوسوں سے سرفراز کیا کرتے تھے۔

قدیم طیطانیوں میں محض اظہار دوستی اور محبت کے لیئے بوسہ لیا جاتا تھا۔ کیونکہ اعزاز وتکریم کے موقعہ پر مصافحہ ہاتھ دبا کر کیا جاتا تھا۔ انگلوسیکسن کی قوم میں بھی یہ طریقے

رائج تھے۔ مگر انہیں بعد میں آکر دیگر جذبات کے اظہار میں بھی بوسہ کو دخل ہو گیا۔ چنانچہ ملازمین اور ماتحت اپنے آقا کی تعظیم میں اس کی تلوار کو بوسہ دیتے تھے۔ عدالتوں میں صلیب یا بائبل چومی جاتی تھی۔ انگلستان اور امریکہ کے بعض حصوں میں تو اب بھی حلف لینے کا یہی طریقہ ہے۔ امریکہ کی عدالتوں میں چومنے کی خاص بائبلیں ہوتی ہیں جن پر طبی مشورہ کے زیر ہدایت سیلولائڈ کی جلدیں چڑھی ہوتی ہیں تاکہ ایک کے جراثیم دوسرے تک نہ پہونچیں۔ لیکن اس پر بھی مزید احتیاط کی جاتی ہے۔ کہ ہر شخص کے بوسہ دینے کے بعد جلد پر نم اسپنج پھیر دیا جاتا ہے۔ آسٹریا میں کسی خاتون کے دست ناز کو بوسہ دینے کا صرف مہذب مجالس میں دستور تھا۔ مگر اسپین میں اسلامی تسلط اور تمدن کے اثرات کی وجہ سے مرد غیر محرم خواتین کو بغیر ضرورت چھونا معیوب سمجھتے رہے۔ اور اس لیے صرف اسی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ کہ ملاقات کے وقت مرد عورت سے زبانی کہدیں۔ کہ میں تمہارے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں۔ اٹلی میں صرف بے تکلفی اور گہری دوستی کی حالت میں بھی خاتون کے ہاتھ کو بوسہ دیا جا سکتا تھا۔ اس لیے صرف بے تکلف احباب کے دائرہ تک ہی یہ امتیاز محدود تھا۔ مگر اس میں خاتون کے ہاتھ کو بوسہ دینے کا شاید کوئی تخیل بھی موجود نہیں۔ وہاں بجائے ہاتھ کے پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ یہاں کے معزز طبقوں کی دعوت میں اگر کسی مہمان کی خاص طور سے عزت افزائی کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو یہ کیا جاتا تھا۔ کہ مہمان مذکور کے جلسہ دعوت میں داخل ہوتے وقت میزبان کی زوجہ اس کا استقبال کر کے اس کی باری کو بوسہ دیتی تھی پھر طشتری میں شراب پیش کرتی تھی۔ زمینداروں اور تعلقداروں سے ان کی رعایا کے کسان اظہار وفاداری کے موقعہ پر دوزانو ہو کر آقا کے گھٹنوں کو سینوں سے لگاتے اور بوسہ دیتے تھے۔ پولینڈ میں بزرگوں کے شانوں کو تعظیماً بوسہ دیا جاتا تھا۔ زیکوسلافیہ میں تعظیماً صرف دامن کو بوسہ دیا جاتا ہے۔

لب اور رخسار کی بوسہ گیریوں کے ساتھ ناک چومنے کا دستور بھی اکثر قوموں میں رائج ہے۔ چنانچہ یورپ میں ہی لیپ لینڈ میں ناک کا بوسہ لیتے ہیں۔ ناک کے بوسوں میں بھی لبوں کی طرح متعدد نازک خیالیاں بیان اور لطافتیں پیدا کیگئی ہیں۔ بالخصوص اہل

چین نے اپنی نازک پسند اور باریک بین طبائع سے کام لے کر ناک کے بوسوں میں کمال لطافت پیدا کر دی ہے۔ یہاں کے مہذب طبقہ میں ایک چینی اپنے محبوب کا بوسہ لیتے ہیں اپنی ناک اس کے رخسار پر رکھ کر اتنا دباتا ہے۔ کہ لب اس کے جلد چھونے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات مس بھی ہو جاتے ہیں۔ اسوقت وہ ناک سے لمبا سانس کھینچتا ہے نظروں کی نسبت کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ بوسہ کے آداب میں نظروں کا آنکھوں کے زیریں حصہ پر ہی ہونا لازمی ہے۔ چین میں بوسہ کے صرف دو موقعے ہوتے ہیں۔ اولاً عشاق کے طبقہ اور عام اظہار محبت میں اور دوسرے عورتوں کے چھوٹے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ لیکن کسی جگہ تکرار کی کثرت نہیں ہوتی۔ لب اور رخسار کے بوسوں کو اہل چین نفرت سے دیکھتے بلکہ اسکو وحشت اور حیوانیت بتلاتے ہیں۔ چنانچہ اپنے روتے بچوں کو خاموش کرنے کے واسطے عورتیں یہ کہہ کر ڈرایا کرتی ہیں۔ کہ "چپ رہو ورنہ سفید آدمی کاٹ لیگا" امریکہ کی بعض قدیم اقوام میں بھی ناک کا ہی بوسہ رائج تھا لیکن یہاں کے بیشتر باشندوں میں تو شروع سے کسی قسم کا تخیل ہی نہیں تھا۔

موجودہ جاپان باوجودیکہ اپنے تمام روزمرہ امور سیاست و تمدن میں یوروپ کا مقلد اور شاگرد ہے مگر یوروپ کے بوسہ سے وہاں اب بھی اجتناب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں علانیہ بوسہ کو مکروہ اور ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اس کے انسداد کے لیے سرکاری طور پر کوشش کی گئیں۔ تو سینما کی فلم ریلوں سے پولس کے محکمہ احتساب نے ایک سال کے اندر آٹھ لاکھ گز طویل ٹکڑے مجموعی طور سے اپنے نکلوا دیئے جن میں بوس و کنار کے منظاہرے تھے۔

یوروپ میں جس کثرت سے بوسہ کی تکرار ہے مشرق بعید میں اسی قدر اس کا فقدان ہے۔ اور خال خال موقعے ہیں۔ عام طور سے اس کو بے حیائی سمجھا جاتا۔ صرف بچوں کو تو پیار کر لیا جاتا ہے۔ عشاق میں اظہار محبت تلطف اور کیفیت اندوزیوں کے موقعوں پر بوسہ کا تخیل تک پیدا نہیں ہوا۔ محبت میں نذرانے اور تحفے پیش کیے جاتے ہیں۔ رخصتی اور ملاقات باز دید وغیرہ کے موقعوں پر مصافحہ بھی نہیں کیا جاتا۔ بلکہ

بلکہ پیٹھ پر تھپ تھپی دی جاتی ہے۔ غرضیکہ بوسوں کی نشو و نما۔ اسکی کیفیت اندوزیاں اور اس کی باریکیاں مشرق مین ہوں یا مغرب مین، گذشتہ عہد مین ہوں یا دور حاضر مین تہذیب اور ترقی یافتہ تمدن اور سوسائٹی کے ساتھ وابستہ رہی ہین۔ اور اس کا استعمال ہمیشہ پسندیدگی محبت اور عزت کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔

کمبوڈیا مین صرف عطائی فضلیت کے موقعہ پر بوسہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً جب کسی خانقاہ مین دیوداسیاں لڑکیاں داخل ہوتی ہین۔ تو بُت کے سامنے راہب اعلیٰ لڑکی کو چومتا ہے۔ پھر جب اپنے عبادت کے اوقات مین وہ کسی لڑکی کو ناچنے کے لیے انتخاب کرتا ہے تب بھی بوسہ سے سرفراز کرتا ہے۔ نام اور کوشش چین مین بھی قریب قریب یہی دستور ہے

مغربی عرب مین جب عدالت مین قاضی ملزم کو حکم سزا سنا دیتا ہے۔ تو پھر ہمدردانہ بوسہ لیتا ہے۔ حرم کی چار دیواری کے اندر اظہار ادب اور عطائے دعا کے لیے مستعمل ہوتا ہے؛ چنانچہ جب کوئی امیر یا شیخ حرم مین اپنے متعلقین کے درمیان بیٹھتا ہے۔ اور متعلقین خیر مقدم کرتے یا شرف دیدار کے واسطے قریب آتے ہین۔ تو پہلے شیخ کو بوسہ دیتے ہین۔ اگر خادمہ ہوتی ہے۔ تو وہ لباس کے دامن کو بوسہ دیتی ہے۔ اور وہ جواب مین شانوں پر تھپکی دیتا ہی بیٹی آتی ہے۔ تو شیخ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتی ہے۔ اور باپ اس کے بالائے سر کو چومتا ہے۔ بیوی شوہر کے شانہ کو چومتی ہے۔ اور وہ بیوی کی پیشانی کو، بیٹا بھی باپ کے شانہ کو چومتا ہے۔ شیخ اس کے دونو رخسارون کو چومتا ہے۔ مگر شیخ کی ماں آکر بیٹے کے سامنے تھوڑا سا جھکتی ہے۔ اس پر شیخ کھڑا ہوکر ماں کو سیدھا کرتا ہے اور منہ کو چومتا ہے۔

حبش کے نصرانی علاقہ مین بھی مسلمانوں کی طرح احتیاط کی جاتی ہے۔ بیوی شوہر کا خیر مقدم کرکے ان کا بوسہ نہیں لے سکتی۔ بلکہ دستور تو یہ ہے۔ کہ شوہر کی آمد پر اس کی طرف سے کسی قسم کے جوش یا محبت کی نمائش نہیں ہوتی۔ بلکہ بے نیازی کا اظہار کرکے کنکھیون سے دیکھتی ہی گو ہم جنس دوست، عورتیں عورتون سے، اور مرد مردون سے، ملاقات کرکے باہم گلے ملتے، اور حسب مراتب پیشانی یا ہاتھ کو بوسہ دیتے ہین۔ لیکن میاں بیوی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے یا چھونے مین بھی احتیاط کرتے ہین۔ اور کبھی تیسرے شخص کے سامنے اظہار محبت نہیں کرتے

(جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں)

ابتدائے عشق

از

جناب ایم اے مارک صاحب

جسکو

شیخ رضی الدین قریشی نے بعد اخذ حقوق دوامی

ادریس المطابع دہلی مین چھپوا کر

دفتر شاندار بکڈپو جامع مسجد دہلی

سے شایع کیا

پہلی بار

قیمت ۵ر

اس حالت سے قطع نظر کر کے ملازم آقا کی عبا کے دامن کو بوسہ دیتا ہے۔ پھر باری باری آقا کے قدم یا اگر دربار کا موقع ہو۔ تو تخت یا زمین بوس ہوتے ہیں۔ عوام اور دیہاتی علمائے دین کے عصار کو چومتے ہیں۔ لوگ جب عبادت خانوں میں جاتے ہیں۔ تو سواریوں سے اتر کر صدر دروازہ کی دہلیز کو بوسہ دیتے ہیں۔

جب کوئی شخص کسی محترم اور بزرگ خاتون سے گفتگو کرتا ہے۔ تو خاتون کے اظہار توجہ۔ تلطف اور ہمدردی پر ہر بار اپنے ہی ہاتھ کو چومتا ہے۔ مختلف مراتب کے اعتبار سے گو متفرق جگہ کے بوسے لیے جاتے ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کے لبوں کا بوسہ نہیں لیتے۔ انکا خیال ہے۔ کہ لب بوسہ لینے کے واسطے ہیں نہ کہ دینے کے،

امریکہ کے صوبہ ساجو تیٹ میں بوسہ کے متعلق ایک قانون ہے۔ جو نیلے قانون کے نام سے موسوم ہے اس کی رو سے میاں بیوی کو اتوار کے دن بوس وکنار کی ممانعت ہے۔

غرضیکہ حاصل مطالعہ یہ ہے۔ کہ مغربی اقوام میں جہاں بوسہ کی عادت ہے۔ وہاں اہل مشرق میں یہ بطور رسم موجود ہے۔

اسکینڈ نیویا کے باشندے مسلٹو اکاس بیل کی لکڑی کے تیر کمان بنوا کر چھتوں میں لٹکاتے ہیں۔ اور اس کو الفت اور محبت کی علامت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جب مرد و عورت باہم اس کے نیچے سے گذرتے ہیں۔ تو باہم بوس وکنار کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں۔ کہ محبت کا پودا جبتک زمین میں جڑ نہیں پکڑتا۔ تب تک کوئی عمدہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اس لیئے یہ بوس وکنار دائمی محبت کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ وہاں یہ بھی ایک پرانا عقیدہ ہے۔ کہ کرسمس کے ایام میں جس ناکتخدا لڑکیوں کو اس تیر کمان کے نیچے بوس وکنار کیا جاتا ہے۔ اس سال ان کی شادی نہیں ہوتی ؎

انگلستان

گذشتہ عہد میں بوسے کے سلسلہ میں انگلستان بہت شہرت حاصل کر چکا ہے یہاں کے ایک کتب خانے میں ایرازمس نامی ایک جید فاضل اور پادری کا خط ملا ہے

جو اُسنے اپنے کسی بے تکلف دوست کو یورپ مین لکہا تھا۔ اس خط مین یہ فاضل اپنی لطافت طبع سے چٹکیاں لے کر لکھتا ہے۔ کہ

"فاسٹس! اگر تم برطانیہ مین قیام کی لطافتوں سے واقف ہو جاؤ۔ تو ابھی اپنے جسم مین پر لگا کر اُڑے چلے آؤ۔ یہاں کے متفرق اور متعدد عجائبات مین سے صرف ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ حسینانِ انگلستان کے سفید نورانی چہرے فرشتوں کی طرح سے ملاحت اور کشش رکھتے ہین۔ جن کو تم اپنے دلگدازیوں اور تصور آرائیوں مین یقیناً جگہ دے سکتے ہو۔ مگر اُن کے ساتھ ہی یہاں کا ایک دستور ہے۔ جسے تم شاید پسندیدگی سے نہ دیکھو گے۔ وہ یہ کہ اگر تم کہیں مدعو کئے جاؤ۔ اور میزبان کے ہاں پہنچو۔ تو میزبان کے ہاں سب لوگ اور حاضر وقت تمام مہمان بھی تمہارے بوسے لیکر خیر مقدم کریں گے۔ اگر یہاں کے باشندے کی حیثیت سے تم سفر کرو۔ تو تمام عزیز۔ آشنا۔ دوست۔ احباب تمہارا بوسہ لیکر رخصت کریں گے۔ ہر موقع پر جب تمہارا بوسہ لیا جائے۔ تو تمہیں بھی اخلاقاً اپنے پیار کرنے والے کو چومنا پڑے گا۔ اسی طرح جب وہ تمہارے ہاں مہمان ہوں۔ یا ملنے آئین۔ یا مل کر واپس جائیں۔ تو ہر حالت مین بوسہ لینا۔ اور دینا لازم ہوگا۔ اگر راستہ مین تمہارا کوئی دوست مل جائے۔ تو ملاقات بوسے سے شروع کی جاتی ہے۔ غرضیکہ ہر جگہ ہر موقع پر بوسہ لازم ہوتا ہے۔ اور فاسٹس! اگر کبھی تم ان حسین نازنینوں سے لذت گیر ہو۔ اور آہ انکی حلاوت اور ان کی خوشبو کے مزے لے سکو۔ تو مین اپنی عزت کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ تم اپنی مصروف زندگی کے تمام مشاغل چھوڑ کر دس برس تو یہاں ضرور ٹھیرو گے۔"

دولزے کی سوانحیات مین اس کے مصنف کیونڈیش نے لکھا ہے کہ:۔

"میں ایک دعوت مین شریک تھا۔ اور مہمان خانے مین صاحب خانہ کے انتظار مین بیٹھا تھا۔ اس دوران مین بیگم یکایک اپنے ذی شان کمرے سے نکل کر آئی۔ اور جس طرح جلیل قدر شرفا کا طریقہ ہوتا ہے۔ مجھ سے اخلاق سے پیش آئی۔ اسی طرح اس کے ساتھ کی بارہ سہیلیاں بھی اسی اخلاق سے پیش آئین۔ انہوں نے اپنی جلوہ گاہ سے نکل کر پہلا کام یہ کیا۔ اور کہا کہ انگریزی قوم کا اُن کے وطن مین یہ دستور ہے۔ کہ مہمان

میزبان کی حرم اور تمام دیگر خواتین کے بغیر کسی امتیاز کے بوسے لے۔ اور تبادلہ میں ہر ایک کو بوسہ دے۔ گو یہ دستور اس سلطنت میں نہیں ہے۔ مگر جہاں تک آپکا تعلق انگریزی قوم سے ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ اس قومی امتیاز کو زندہ اور برقرار رکھیں۔ اس لیے مجھے جرأت ہوئی ہے کہ آپ سے بوسہ کی خواہش کروں۔ میرے بعد میری تمام رفیق سہلیاں بھی آپ سے اس کی خواہش مند ہوں گی"

آئس لینڈ

جزیرہ آئس لینڈ کی سیاحت میں لارڈ ڈفرن نے لکھا ہے۔ کہ میرے ساتھ فرٹز بھی تھا۔ میں نے اس جگہ کی حالت دیکھکر ایک روز فرٹز سے کہا۔ کہ آئس لینڈ میں یہ امر سیاحوں کی تہذیب اور خوش اخلاقی پر محمول کیا جاتا ہے۔ کہ جب سفر کے لیے روانہ ہوں۔ تو اپنی میزبان کی خاتونوں کا بوسہ لیں۔ گو میں نے ہی بتلایا تھا۔ مگر پھر بھی مجھے امید نہ تھی۔ کہ وہ میرے الفاظ کی حرف بحرف تائید کرے گا۔ چنانچہ ہماری روانگی کے وقت اس نے بغیر تامل پہلے میزبان کی بیگم کو سینے سے لگایا۔ اور بوسہ لیا۔ گھر کی بڑی بیگم سے شروع کرنا تہذیب میں داخل تھا۔ پھر نہایت بے تکلفی سے آگے بڑھ کر ان کی بیٹی کو بوسہ فراز کیا۔ میں اس کی دلیریوں کو دیکھ کر لرز رہا تھا۔ مگر اس کی کامیابیوں پر رشک آمیز نگاہوں سے بھی دیکھ رہا تھا۔ صاحبزادی کی عزت افزائی پر پہلے تو خوف سے میرے بدن میں لرزہ پڑ گیا۔ اور یہ سمجھا۔ کہ اس کی انتہائی ناراضگی ہمیں گردن پکڑوا کر شاہراہ عام پر نکلوا دے گی۔ اور رسوا کریگی۔ مگر جب یہ معلوم ہوا۔ کہ میرے مہمان کی تہذیب اور خوش اخلاقی اسی عمل امید وار اور منتظر تھیں۔ تو میں حیران کھڑا رہ گیا۔ جب لڑکی کی باری آئی تو میں دیکھتا تھا۔ کہ وہ لڑکی کمال سادگی اور بے باکی سے جو مدرسے کے دارالاقامہ کی رہنے والیوں کو ہی زیب دیتی ہے۔ آگے بڑھی اور شوخ۔ شریر اور مست آنکھوں سے اس کا استقبال کیا۔ اور اُسے ایک نہایت پُرکیف بوسہ دیا۔ اسوقت سے میں نے بھی ارادہ

کرلیا۔ کہ اب جہاں پہونچوں گا۔ وہاں کے باشندوں کے رسم ورواج کے مطابق پیش آؤں گا۔"

پرتگال

جب اسقف اعظم جان لاریم کو ڈچز آف سوائے کے ہاں پہونچاکر ڈچز سے تعارف کرایا گیا۔ تو ڈچز نے اپنے منزلت کے اعتبار سے بوسے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اسقف نے ڈچز کے اس انداز سے اپنی توہین سمجھی۔ اور برآفروختہ ہوکر کہا۔ بیگم کیا میں اس سلوک کا مستحق ہوں۔ میں اپنے شاہ کی حرم اور اپنی ملکہ کے دہن کا بوسہ لینے والا شخص ہوں۔ میری ملکہ کو دنیا میں آج وہ منزلت حاصل ہے۔ کہ کوئی ہمسری نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ تم۔ جو مجھ کو اپنا ہاتھ پیش کرتی ہو۔ کیا میں ایک معمولی ڈچز کے دہن کا بوسہ نہیں لے سکتا۔ تم کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میں تم سے بدرجہا زیادہ حسین اور عالی خاندان کی نوجوان بیگمات کے نازک لبوں کو بوسہ کا شرف دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے پرتگال کی مغرور شہزادی کے دہن کی طرف پیش قدمی کی۔ اور گو اس نے ہر چند گریز کرنا چاہا۔ اور انکار کیا۔ مگر اس روحانی پیشوا نے ڈچز کو آغوش میں دباکر اس کے دہن کے پے ہم اور متواتر بوسے لیئے اور چھوڑتے وقت پرزور قہقہہ مارا۔

اسپین

اسی زمانے کے اسپین کے نوجوان شاہ الفانسو سیزدہم اور اس کے بوسوں کے بہت افسانے ہیں۔ اس شاہ کی نابالغی کے وقت اس کی ماں شاہ کی ولی تھی۔ اولینا پٹی نام کی ایک مغنیہ کو اپنے کمال فن کی وجہ سے اس کے دربار میں رسائی ہوئی۔ ایک موقع پر جب ملکہ ولی پٹی کا دلنواز نغمہ سنکر محظوظ ہوئی اور خوب داد دی۔ تو پٹی نے موقع پاکر اس کی خواہش کی۔ کہ کمسن شاہ کے دیدار کا شرف بخشا جائے۔ اسپر شہزادہ الفانسو کو کمرے میں بلایا گیا۔ شہزادہ کو نہایت ناز سے انا کے آغوش میں لایا گیا۔ پٹی نہایت احترام اور محبت

سے پیش آئی۔ اور اس کا نرم نرم اور پیارا ہاتھ اپنے لبوں پر رکھ کر بوسہ لیا۔ مگر ملکہ نے اسکو توہین تصور کیا۔ اور فوراً مداخلت کر کے کہا۔ اسپین کی قوم ابھی بہادر ہے۔ یہ رسوائی کا داغ میرے بیٹے کے لیئے گوارا نہیں ہو سکتا۔ کہ شاہ کسی خاتون کو شرف اعزاز بخشے پر صرف ہاتھ کو بوسہ دلانے پر اکتفا کرے خدا نہ کرے۔ کہ یہ بدعت میرے شہزادے کی طرف منسوب کی جائے۔ لہذا بوسے کا صلہ بوسہ ہی ہیں دو۔ چنانچہ شہزادہ نے پری زاد مغنیہ کے گلے مین بانہیں ڈال دیں اور لبوں سے لب ملا کر جی بھر کے بوسے لیئے۔

بوسہ کی تشریح

انسان کی شیریں کلامی مین بوسہ کی شیرینی لطافت کو بڑا دخل ہے۔ اور جو لب اس چاشنی سے ناآشنا رہتے ہین۔ ان کی روزمرہ کی گفتگو مین خشکی داخل رہتی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ زہر شامل ہوتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ بعض اوقات ایک ایک بوسہ مین ایسے ایسے مسئلے حل ہوجاتے ہین۔ اور عقدہ کشائی ہوجاتی ہے۔ جن کی طلب وتحقیق مین مدتوں کی تلاش وتجسس اور غور وفکر بے کار اور ناکام رہ چکی ہے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ اس فن سے عمل اور کیفیت سے واقفیت، مقتضائے دانش مندی اور اس سے لاعلمی نادانی اور سادہ لوحی ہوگی۔ وہ عورت جس کے حسن کا خط وخال، قد وقامت انداز اور دیگر اوصاف کیف آور نے کسی مرد کی نگاہِ انتخاب اور دلِ حسن پرست مین کبھی جگہ نہ پائی ہو۔ ایسی ہے گویا وہ دنیا مین پیدا ہی نہیں ہوئی۔ ان کی عمر کا بیش حصہ زیر نقاب رونے اور گوشوں اور تنہائیوں مین سینہ کوبی مین گذرتا ہے۔ لیکن سہلیوں کی مجلس مین پہونچکر ایسی سنجیدہ اور سلیم الطبع بننے کی صورت اختیار کرتی ہین۔ کہ گویا انکو صنف نازک کے محبت نواز دل سے کوئی نسبت ہی نہین۔ وہ کوئی مافوق العادت مخلوق ہین۔ جو محبت کی دنیا سے قطعی لاعلم ہین۔ ان مین سے اکثر تلخ مزاج اور ترش رو ہوجاتی ہین۔ جس طرح مفلس قلاش۔ دولت مندوں کو دنیا کے دشمن بتلاتے ہین۔ اسی طرح یہ بھی اپنی سہلیوں سے پیش آتی ہین۔ بوسہ کی چاشنی تمام تر شیرین نہیں ہوتی۔ بلکہ جس طرح شہد کی شیرینی مین مکھی کے ڈنک کی تلخی شامل ہوتی ہے۔ اسی طرح اس چاشنی مین بھی دو رنگی رہتی ہے۔ محبت مین سب سے زیادہ مرغوب تفریح تکرارِ بوسہ ہی ہوتی ہے۔ عاشق جب محبوب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اسکی حسن پرستی یا دادِ حسن، حسینہ کے دست سیمتن اس کی نرم وسبک انگلیوں تک انہیں کو پہونچانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر سفید انگلیوں کو چومتا ہے۔ پھر حنائی ہتیلی پھر نازک کلائی جس کی سفید جلد مین رنگین رگیں مچھلیوں کی طرح تڑپتی پھرتی ہین۔ اسدرجہ اظہار

محبت پر محبوبہ شرمیلی نگاہوں سے داد محبت دیتی ہے۔ مگر بیک خیال اظہار ناراضگی کے طور پر عاشق کی گرفت سے نازک کلائی کھینچ لیتی ہے۔

یہ ادا عاشق کو بسمل کر دیتی ہے۔ وہ ایک رخسار کے بوسہ کا ملتجی ہوتا ہے۔ اسوقت اس کی صرف اتنی ہی خواہش، اتنی ہی آرزو ہوتی ہے۔ کہ معشوق کے مخملی رخسار تک انہیں لبوں کی رسائی ہو جائے۔ بس ایک دفعہ مس کر جائیں۔ یہ خواہش شروع میں نہایت ادنیٰ اور معمولی ہوتی ہے۔ لیکن جب گل کی ایک پنکھڑی سے سرشار کر دینے کے بعد دوسرا رخسار دوسری پنکھڑی کے فیض سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ پھر پہلے رخسار کی طرف توجہ کیجائے اس کے بعد ایک جرعہ مکرر، اعادہ مکرر تعداد میں اضافہ ہوتا جائے۔ یہ خواہشیں فطری ہیں۔ یہ نوازشیں جائز ہیں۔ یہ ہیرا پھیری، یہ ادل بدل، شروع کی منزلیں ہونی چاہئیں یہاں تک کہ عاشق کا مضطرب لب، پیمانہ و ساغر، غنچہ دہن یعنی رسیلے ہونٹوں سے ہمدوش نہ ہو جائیں۔

فیضانِ رخسار دہن کے اس سرور آمیز دور کے بعد معشوق جو اسوقت تک عاشق کے واسطے آفت جان۔ بے نیاز صنم۔ سنگ دل یار مسیحا۔ طبیب اور کیا کچھ ہوتا ہے۔ اس کی قدر و منزلت اب عاشق کے جذبۂ قدر دانی پر موقوف رہ جاتی ہے۔ وہ عاشق کے لیے دنیا کی ہر شے اور کمال آرزو بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس کی نظروں سے گر کر، ذلت اور رسوائی کے غار میں بھی گر سکتی ہے۔ اگر معشوق دنیا دیکھے۔ اور تجربے کار ہے۔ اور عاشقوں کے مزاج یا مردوں کی فطرت سے واقف ہوتی ہے۔ تو عاشق کی پہلی اور بعد کی نگاہوں میں فرق دیکھ لیتی۔ اور فرق کا صحیح اندازہ کر لیتی ہے۔ کہ اب عاشق کے دل میں میرے لیے کتنی جگہ ہے۔ اس قسم کے بھلے بُرے نتائج عاشق کی طبیعت۔ بوسوں کے موقعوں اور بوسوں کے طریقوں کی نگرانی پر موقوف ہوتے ہیں معشوق (عورت) کی قدر و منزلت، یا رسوائی اور ذلت اس کی دوشیزگی کا احترام یا بیسوائی سے نفرت، اس کی جانب سے داد محبت اور اعتراف شکست، یا بے نیازی اور اظہار خودداری عاشق پر موقوف نہیں۔ اور عاشق کی گرفت بوسہ کے مقام سے وابستہ ہے۔

ایک خوش اسلوب بوسہ سے نیک انجام شادیاں انجام پاتی ہیں۔ اور بے ڈھنگے طریقوں سے تعلقات ازدواجی فسخ ہو سکتے ہیں۔ شادی کے وقت تک محبوبہ یا عورت عاشقوں کی ہیرو کرتی ہے۔ مگر بعد میں ان کی محبت کے توڑ جوڑ پر مرد قابو پا جاتے ہیں۔ اس لیئے ان معشوقوں کے لیئے جن کے پابند دستور ازدواجی ہونیکی ابھی کوئی صورت نزدیک نہیں ہے۔ مناسب ہے۔ کہ مردوں کی آغوش اور بوسوں کی ترقی پذیر رفتار سے پرہیز کرتی رہیں۔

عورت اور مرد کی فطرت میں ایک ذہنی اختلاف ہوتا ہے۔ جس کا ظہور پہلے بوسوں کے بعد ہوتا ہے۔ بوسہ کی چاشنی سے لذت گیر ہو کر مرد عورت سے قطعی مختلف اثرات لے کر علیحدہ ہوتا ہے۔ عورت کے احساسات اسکو بے چین کر دیتے ہیں۔ لیکن مرد کے احساسات اسکو مہیں بجبیں بنا دیتے ہیں۔ ایک معصوم دوشیزہ کے لیے پہلا پُر شوق بوسہ ایک انقلاب انگیز واقعہ ہوتا ہے۔ مگر مرد کی کیف اندوزیوں کا وزن اس سے زیادہ نہیں جتنی پچھلی ہولی دیوالی کا ہوا کرتا ہے۔ اگر حسینہ کے لیے یہ پہلا بوسہ نہیں ہے اور پیشتر بارہا غیروں سے مشغول بوس و کنار ہو چکی ہے تب بھی وہ طبعاً انکو بھولجاتی ہے۔ اور اس جدید معانقہ سے کیف اندوز ہونیکی کوشش کرتی ہے اور آخری عاشق کو سب سے جدا اور برتر سمجھتی ہے۔ لیکن مرد اس حسینہ کو منجملہ سابق لقموں اور شکاروں کے جنکو وہ اکثر ہم آغوش کرتا رہا ہے ایک شکار سمجھتا ہے۔ جبتک حسینہ عاشق کو اپنے لبوں تک پہونچنے سے باز رکھ سکتی ہے۔ وہ اس کی نگاہوں میں ہر عزت کی مستحق اور بیش از بیش محبت کی ملکہ رہ سکتی ہے اس لیے دوشیزہ حسینوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ وہ ایسی روش اختیار کریں جو انکو عشاق کی نظروں میں ہر لحاظ سے دوسرے معشوقوں سے ممتاز و بالا رکھ سکے۔ ہمجنسوں میں عزت و آبرو کا مالک بنائے اور مرد انکو خس و خاشاک سمجھکر فراموش نہ کر دیں۔

بوسہ کی کیفیت

زاہد پیو شراب کسی ماہ رُخ کے ساتھ
صحنِ چمن میں فرش بچھا ماہتاب کا

بہار کی راتیں، صحنِ چمن میں چاند کی کیف اندوز چادر میں وہ مقصودِ تمنا وہ ساقی بے نواز یعنی وہ نازنین۔ آفت جان۔ جس کی ادنی سی جنبشِ چشم ہزاروں دلوں پر بجلیاں گرادے آہ وہ جس کی کافر اداؤں پر عشاق آئینہ دل نثار کریں، وہ بُت سیم تن کہ جس کی انگشت میں اگر والہانہ جسم عشاق سے لگ جائے۔ تو بالیقین ان کے قصر جذبات میں زلزلہ پیدا کردے وہ شمع جس کی تابش وسعت نظر کے لیے کیف اندوز اور حیات آفریں بن کر عالم خیال میں دنیائے محسوسات پیدا کردے۔ وہ مجسمۂ سحر جس کے جلوہ میں ہر شئے منقلب اور مسحور نظر آنے لگے۔ وہ پری زاد جو تنہائی میں برق پاش ہو کر دشمن عقل وہوش بن جائے۔ وہ ساحر جس کی حقیقت نما ہونے پر بھی خواب وخیال کا ہی گماں باقی رہے۔ اگر ایک مرتبہ رونق بزم بنکر پہلو سے اُٹھ جائے۔ اور ایسی جلوہ فرمائیوں کے بعد بزمِ عشاق میں حشر برپا کردے۔ عالم فراق کو خوف ناک تاریکی اور انتظار باز دید کو، کوہِ فرہاد بنادے۔ تو اسوقت انتظار کی گھڑیاں ہی رفاقت اور غم گساری کرتی اور ہجر وانتظار کی تکلیفوں میں سکون پیدا کرتی ہیں۔ اس حالت میں معشوق ستم گر کا خیال ہی مرکز توجہات اور دریائے استغراق بن جاتا ہے ؎

خدا کی یاد کرتے ہیں بتوں سے گرم صحبت ہے
یہی مذہب، یہی تقویٰ یہی اپنی عبادت ہے

حسرت سرمایۂ حیات بن جاتی ہے۔ انتہائے انتظار عالم یاس طاری کردیتی ہے۔ اور مرنے کے سوائے دوسرا کام باقی نظر نہیں آتا۔ اس عالم میں تکمیل آرزو اور لطف محبوب یا وصل میں کامیابی محض انقلاب روزگار، اور دخل قدرت پر موقوف اور منحصر رہ جاتا ہے۔ اسوقت رہ رہ کر سینہ میں تڑپ پیدا ہوتی اور ؎

دل چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں ، تصورِ جاناں کئے ہوئے۔

جی چاہتا ہے۔ کہ وہ قدرت کا شاہکار، وہ فطرت کی بہترین تصنیف وہ پیکرِ ناز و ادا پھر پہلو میں ہو۔ باہیں ایک بار پھر اس شاخِ سرو کے گرد حلقہ گیر ہوں۔ ایک مرتبہ ان ثمرہائے نورس کو سینے سے لگا لینے کے لیے پھر بازوؤں کی درازی مصروفِ شرارت ہو۔ اسکی پیاری پیاری سیاہ زلفیں ایک دفعہ پھر میرے شانے پر افشاں ہو جائیں۔ وہ گل شگفتہ پھر سامنے آجائے۔ اس کی گلابی پنکھڑیاں قریب آکر دماغ کو خوشبو سے مست کر سکیں۔ وہ غلط انداز نگاہیں ایک مرتبہ پھر تیرِ نظر سے دل کا نشانہ اڑا دیں۔ اور پھر اوٹ میں ہو کر وہ ستمگر صیاد شانہ سے لگ جائے ؎

فصلِ گل ہیں رات دن بس ہم ہوں اور میخانہ ہو
ساقیٔ مہوش ہو، مے ہو، شیشہ ہو، پیمانہ ہو

محوِ گلشن گر نگاہِ نرگسِ مستانہ ہو، شیشہ ہو شمشاد، شبنم مے ہو، گل پیمانہ ہو

صحنِ گلشن میں جو رقصاں ساقیٔ مستانہ ہو
کیکِ سودائی ہو، طاؤس چک دیوانہ ہو

آہ! یہ لب مضطرب ہیں کہ ایک بار ساقیِ مستِ شباب کے ساغرِ سے سیراب ہو سکیں ایک بار پھر بادۂ ناب سے سرشار ہو جائیں۔ اس کے غنچۂ دہن سے کیف اندوز ہو سکیں یعنی لب بہ لب ہو جائیں۔ اور پھر ویسی ہی بے خودی ہو۔ پھر پہلی جیسی ہی محویت ہو۔ پھر رگ رگ میں پہلا جیسا ہی طوفانِ محبت تلاطم خیز ہو۔ پھر دل و دماغ میں بزمِ یار کا ہی جلوہ ہو اور مجھکو ساقی اور ساغر و پیمانہ سے کام رہ جائے ؎

بزمِ بتاں ہو، جام ہو، خلوت ہو پھر تو بس
کافر ہوں گر وہاں بھی خدا کا میں ڈر کروں

دنیا کی مسرتیں میرے لیے وقف ہوں۔ اُس کے آتش فشاں سینے کی ہنگامہ خیزیاں میرے قلب اور سینہ کو خاکستر بنا رہی ہوں اور میں زبانِ حال سے کہہ رہا ہوں ؎

تمہید

دورِ حاضرہ میں جبکہ اس عالم کا ذرہ ذرہ نئی زندگی اور حیاتِ تازہ کے حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ اور زندگی کے مقاصد میں فنِ لطیف کی ترقی داخل ہو چکی ہے اور اس لطافت کی انقلاب انگیز کیفیتیں قابلِ قدر سمجھی جانے لگی ہیں۔ تو بوسہ گیری کا فن بھی ایک ناقابلِ فراموش لوازمۂ حیات بن گیا ہے۔ اس سے چشم پوشی کرنا گویا مقصد و مصالحِ ترقی کو قربان کرنا ہے۔ یا یوں کہیئے۔ کہ ہماری جد و جہد زندگی ایسے طریقہ پر انجام پائے گی۔ کہ کشمکشِ روزگار میں لطف باقی نہ رہیگا۔ وہ بے کیف رہیں گی۔ اور زندگی وبالِ جان بن جائے گی۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ انسانی تمدن میں روزمرہ کی تگ و دو اور کشمکشِ عمل میں محبت نوازیوں اور لطیف کیفیتوں کے شامل کر دینے سے عملی سرگرمیاں اور شوقِ جد و جہد بڑھ گئے ہیں۔ ان کا اندازہ سرسری نظریں اور سطحی خیال نہیں کر سکتے۔ امریکہ میں دو مشہور علمی یونیورسٹیوں میں دو علامہ و فاضل پروفیسروں کے متعلق جب نوجوانانِ امریکہ کو معلوم ہوا کہ وہ انہیں علم و فن کی جستجو میں رہ کر زاہد خشک ہی رہے۔ اور گرد و پیش کی لطیف سوسائٹی اور مشاہدۂ روزگار ان میں کوئی رنگینی پیدا نہ کر سکے۔ یعنی انہوں نے بوسہ کی لطافتوں اور محبت کیشوں کی خوش ہنگامیوں کو نہ سمجھا سکے۔ تو انپر پروفیسروں کی حسرت ناک زندگی سے بہت اثر پڑا۔ اور عام ہمدردی پیدا ہو گئی۔ انکی زندگی دنیا کے اکثر خشک طبع اور زاہد مزاجوں کا آئینہ ہے۔ جن کے بے لطف اوقات پر تہذیبِ انسانی ہر قسم کی عالمگیر ہمدردی رکھتی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی زندگی کی قلیل فرصتوں کے بیش قیمت اوقات سخت سے سخت مرحلے طے کرنے میں صرف کر دیئے۔ لیکن بوسہ کی لذت آمیزیوں سے ہمیشہ محروم رہے۔ اور کبھی ایک بوسہ کی چاشنی بھی نہ حاصل کر سکے۔ ان کے بعد وہ لوگ بھی

اُن کا پہلو شب مہتاب چھلکتا ساغر
اب دکھائے نہ خدا ہم کو سحر کی صورت

ہاں یہ شوخیاں، یہ لطف اندوزیاں پہروں قائم رہیں۔ کبھی وہ بدمست ہو کر مجھ کو سینے سے بھینچ لیں۔ اور فرطِ جوش میں میرے ہوسناک لب و دہن سے اپنے ساغر کو پیوست کر دیں کبھی مخملی رخساروں پر کفِ دست کی دراز دستیوں اور لطف آمیزیوں میں مصروف رہوں میرے دماغ کی بلند پروازیاں آسمان پر پہونچ جائیں۔ اور ہماری خوش ہنگامیوں کو ابرِ رحمت میں محیط کر لیں۔ نہیں بلکہ جذبات میں تلاطم اور افکار میں تموّج برپا کر دیں جن سے اُن کی محبت کیشیوں اور دل ربائیوں کی توصیف و ستائش میں مضامین کے دریا امنڈ چلیں۔ میں کہتا رہوں وہ سنا کریں۔ اور مسکرا مسکرا کر اٹھلا اٹھلا کر میرے محبت کا اعتراف اور میری قدردانیوں کو قبول فرماتی جائیں۔ ہماری یہ خلوتیں ہر چند رات کی چاندنی میں ہوں لیکن اس کی جلوہ آرائیوں میں وہ شمع کی تجلی پاشیوں میں ہر شے ماند اور مرعوب نظر آئے۔ اور نگاہوں میں اسی کا جلوہ سماتا ہو، سینہ میں اسی ایک چاند کی چاندنی کی گنجائش ہو۔ اسکی محبت کے ہی نغمے روح سے مشغول گوش رہیں۔ یہاں تک کہ اس کی مست نگاہوں کی کیفیتیں، درد دل کا انکشاف کر کے میری فتحیابیوں کا اعلان کرنے لگیں۔ اس اعتراف شکست پر میرا جوش جذبہ فزوں تر ہو جائے۔ اور انکی اجازت یا اقرار اتفاق سے بے نیاز ہو جائے۔ اور ایک بار پھر لب لعلیں کو منہ سے لگا لوں۔ وہ میری دراز دستیوں کا مستانہ وار استقبال کریں۔ وہ میری گستاخیوں کی ہمت افزائی کریں۔ میری لغزشوں کی تلافی فرماتے رہیں۔ انکے سفید سفید بازو ہیں۔ مجھے اپنی آغوش میں محیط کر لیں۔ وہ بے خود ہو کر مجھے کھینچیں۔ مجھے بھینچیں۔ اور اپنے بے لوث بے نقاب سینہ سے پیوست کر لیں جس کی سرگوشیاں اور بے تابیاں عالم بیخودی میں پہنچا کر بے خود بنا دیں۔

بوسے کے طریقے

یہاں تک بتانے کے بعد یہ بات عام طور سے دریافت کی جاتی ہے۔ اور یہ سوال صحیح بھی ہے۔ یعنی یہ کہ حسینہ کا بوسہ کس طرح لینا چاہیئے اس کا جواب بہت آسان طریقہ ہے، ایسا تو کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ جو اپنے معشوق کا بوسہ لینا نہیں جانتا۔ مزاج اور محل کے اعتبار سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی انداز ہوتا ہے۔ لیکن اس عمل کی باریکیوں سے کیف اندوز ہوتے وقت ہر ایک جوڑے کو خیال نہیں ہو سکتا۔ اور جبتک اس عمل کے لیے آسان موقعے حاصل ہیں اسوقت تک اس کی خوبی کے معلوم ہونے میں دیر لگے گی۔

اس میں شک نہیں، کہ حسین معشوق کے بوسہ میں ایک خاص کیفیت کی ایسی ایک تجلّی ہوتی ہے۔ جس سے بہت سے ناآشنا ہیں اور مشاق بوسہ گیر بھی واقف نہیں اور اس کے معلوم کرنے کے واسطے دیوانہ وار پریشان پھرتے ہیں۔ واضح ہونا چاہیئے۔ کہ ایسی ایک تجلّی میں بوسہ کے کسی ظاہری پہلو یا جسمانی نشست سے مراد نہیں ہے۔ بلکہ مطلب اس کی کیفیتوں سے زیادہ سے زیادہ لذّت گیر ہونے سے ہے۔

جو شخص متواتر ایسے لطیف موقعے پیدا کر سکتا ہے۔ وہ یقیناً زمین دائرہ اثر میں قابل رشک مرتبہ رکھتا ہے۔ جو عاشق ایسے مشّاق ہو جاتے ہیں۔ جو ایک نئے معشوق سے پہلی ہی ملاقات میں اپنے پسندیدہ اطوار و خوش کلامی سے مسحور کر کے پندرہ منٹ کے اندر ہی اسکو بوسہ دینے پر آمادہ کر لیتے ہیں اور اس سے صحبت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی ستم ظریفی لائق داد ہونی چاہیئے۔ ایسے مشاق لوگ تلاش سے مل سکتے ہیں۔ لہذا آپ انہیں تلاش کر کے ان سے رہنمائی حاصل کریئے۔ ان کی گفتگو کو غور سے سنو۔ اور جس طرح وہ عمل کریں دیکھو اور اس کو یاد رکھو اور عمل کرو۔ پھر بوسے کے موقعے پیدا کر کے ان طریقوں کو کام میں لاؤ، اگر تمہارا اُستاد ان طریقوں پر عمل کر کے کامیاب رہتا ہے۔ تو تمہارے کامیاب ہونے کا بھی یقین ہونا چاہیئے۔ اور تمہاری شوخیوں یا دست درازیوں کو سرشار اور سیراب ہونا چاہیئے

تمہیں اپنے استاد کی حرکات کو غور سے دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کس طرح آہستہ آہستہ اور مظلوم انداز سے معشوق کے برابر مین آتا ہے۔ معشوق سے جب آنکھیں چار ہوں، تو دونوں کی آنکھوں کی چمک دیکھو۔ معشوقہ کیسے پُرفریب انداز اختیار کرتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے، مگر اس طرح کہ کوئی جانے کہ خبر ہی نہیں۔ نظریں زمین پر اس طرح جالیتی ہے۔ گویا کسی گہرے خیال مین ڈوبی ہوئی ہے۔ رازہائے سربستہ کے حل کرنے مین محو ہے۔ لیکن اصلیت یہ نہیں ہوتی۔ ذرا قریب آیئے جستجوئے نگاہ کریئے۔ اور پھر دیکھئے دونوں نیم باز آنکھوں کی پتلیاں گوشوں مین کھنچی ہوئی عاشق کی دوسری پیشقدمی کی منتظر، اور ہلکی سی کھنکار سننے کے لیے بے چین ہوتی ہین۔ ان حرکات کو دربار ناز مین گستاخی کہتے ہین۔ اور ان سے دعوت نگاہ کا کام لیا جاتا ہے تاکہ پری پیکر معشوق ایک مرتبہ بھی نظریں اٹھا کر دیکھلے۔ ان نگاہوں کو چشم حیرت کہتے ہین چشم حیرت کی ان سحر کاریوں کو دیکھیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج ان آنکھوں نے مشق فسوں کاری کی قسم کھائی ہے۔ تب یہ پختہ کاری پائی ہے۔

لیجیے وہ عاشق کے شوخ لب قریب پہنچتے ہین۔ تو پُرفریب نظریں بھی حیرت نما ہوکر دیکھتی ہین۔ لو اس کی خوبصورت اور چمکدار مونچھیں اور قریب پہونچیں۔ اب تو سبیوں جیسے سفید کانوں سے مس ہونے لگین۔ مگر وہ بُت ابھی تک محو حیرت ہے۔ ارے لو یہ شوخ لب قریب تر پہنچگئے۔ پیشتر اس کے کہ وہ صنم دریائے حیرت سے نکلے۔ یار کے گستاخ ہونٹ لب لعلیں کا بوسہ لے اڑے۔

اس سے پہلے کہ معشوق کا رنگ متغیر ہو۔ اسکے رخساروں پر غصہ کی سُرخی آئے، عاشق مجرم کی صورت بن کر اپنی بے جا جرارت اپنی دست درازی پر نادم ہوتا ہے۔ اور معافی کا خواستگار بنتا ہے۔ اور اس طرح معذرت کرتا ہے۔ حضور کے متانہ ادا۔ دلربانہ انداز سے اس بندہ نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ میرا جرم ناقابل معافی ہے۔ لیکن پھر بھی معافی کا امیدوار بنکر درخواست کرتا ہوں۔ کہ اس مرتبہ تقصیر معاف کریئے۔ آیندہ کے لیے مین دنیا کی ہر مقدس شے کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں۔ کہ پھر ایسی گستاخی نہ ہوگی۔ یہ قصور میری زندگی مین پہلی مرتبہ ہوا ہے۔ تمہاری دل نشین اداؤں، تمہاری قاتل نگاہوں سے مجبور ہوگیا۔ دل کے ہاتھوں

مجبور ہو گیا۔ صبر و تحمل ہاتھ سے جاتے رہے تھے۔ معاف کیجیے۔ یہ تقصیر نادانستہ ہو گئی میں اپنے بس میں نہ تھا۔

دوسری طرف معشوق متغیر ہو کر پہلے تو مظلوم صورت ہو کر ہاتھوں سے منہ ڈھک لیتی ہے۔ جلدی جلدی کچھ سسکیاں بھرتی ہے۔ جس کی اسے خاصی مشق ہو چکی ہے۔ پھر دل کی بھڑاس نکالنے کے انداز سے سسکیوں کا سلسلہ آہستہ آہستہ کرتی جاتی ہے اس دوران میں گستاخ عاشق اپنی معذرت کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ جس سے نازنین لطف اندوز ہوتی ہے۔ وہ اپنے حسن کی فتح اور دلربائیوں کی کامیابیاں محسوس کر کے مست ہو جاتی ہے۔ وہ انہیں سابقہ تجربوں کو یاد کر کے عاشق کے ہر لفظ کی روح سے لطف اندوز ہوتی جاتی ہے۔ یکبارگی ایک ادا سے، ایک شرمیلی ادا سے منہ پھیر کر ڈیڑھ قدم ہٹ کر عاشق کی طرف کج ادائی سے پشت کر کے کھڑی ہو جاتی ہے۔ مگر اس طرح کہ نگاہوں کی دامنگیریوں سے یہ گستاخ شکاری نکلنے نہ پائے۔ خشم گیں کنکھیوں کے عتاب سے کہیں پناہ گیر نہ ہو سکے۔ اس موقعہ کے لیے یہی انداز دلربائی موزوں ہے۔ جس کی سحر کاریوں سے یہ مشاق صنم خوب واقف ہے۔

قاتل کی بے خطا تیر و خنجر کے سامنے آکر ساکن کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر اشکوں سے مترنم آواز سے رحم اور معافی کی التجائیں جاری رکھتا ہے۔ کبھی قاتل کی شرافت کا واسطہ دیتا ہے۔ کبھی اپنی عزت کی قسم کھا کر عہد کرتا ہے۔ کہ بخشد یجیے۔ اس سے جو تقصیر ہوئی ہے وہ سربستہ راز رہے گا۔ کنایتہ کسی سے اس کا ذکر بھی نہ آئے گا۔ اس کا یہ وعدہ بے چینی اور پشیمانی کا یہ وعدہ نازنین پر جادو کا اثر کرتا ہے اور وہ ایک بار پھر ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیتی ہے۔ اور بے اختیار رنج و الم کا اظہار کر کے سسکیاں لینا شروع کر دیتی ہے اس کی رقت انگیزیوں کو دیکھکر عاشق مزید وعدہ کرتا ہے۔ کہ آئندہ ایسی تقصیر نہ ہو گی۔ نازنین اعتبار کرنا چاہتی ہے مگر اسکو اعتبار نہیں آتا۔ وہ باور کرنا چاہتی ہے۔ کہ ایسے خفیف بوسہ کا اب اعادہ نہ ہو گا۔ لیکن پھر اسے تامل ہوتا ہے۔

عاشق بھی تجربے کار اور مشاق ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ خلاف مرضی یا بے محل

موقع کے بوسے سے معشوق کی خودداری کو جو ٹھیس لگتی ہے۔ اور محبت کی راہ مین جو خطروں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ معشوق کے رنج مین دلگیری غمگساری اور خوشامد سے صاف ہو جایا کرتے ہین۔ اس لیے وہ پھر حسینہ کی طرف بڑھتا ہے۔ اور پہلو مین آکر کسی قدر جھک کر ایک آہ سرد کھینچتا ہے اور نہایت آہستہ سے اس کے شانہ پر ایک ہاتھ رکھدیتا ہے۔ اور ایک بار پھر مترنم آواز سے رخصت کا طالب ہوتا ہے۔ اور یقین دلاتا ہے۔ کہ دل دیوانہ کی انگلیوں سے آپ کو آیندہ شکایت کا موقعہ ندونگا۔ میری بے خودی سے جو صدمہ آپ کو پہنچا ہے۔ مجھے اس کا کامل احساس ہے۔ یہ دل مجبور کی خطا تھی۔ مین معذور ہوں آیندہ زیادہ صبر سے کام لوں گا۔ دل اگر بسمل بن کر تڑپے بھی تو آپ کو خبر تک نہ ہونے دونگا آپ کو شکایت تک نہ ہوگی۔ آہ پیاری اب معاف کرو۔ زیادہ دلگیر مت ہو۔ تمہارے رنج پر میرا دل خون ہوا جاتا ہے۔ اگر یقین نہ آئے۔ تو سینہ چاک کر کے دیکھ لو۔ آہ تمہاری آزردہ دلی مین اب یارائے ضبط نہین، مرا جاتا ہوں۔ دیکھو رحم کرو۔ ایک نگاہ لطف سے اپنے بسمل کی جان بخشدو۔

حسینہ اس پُر خلوص اقرار اور التجاؤں سے اثر پذیر ہوتی ہے اپنی سسکیوں کو ضبط کر کے ایک مخصوص انداز دلربائی سے زیر لب تبسّم لا کر منہ پھیر لیتی ہے گویا ایک خاموش مژدۂ جانفزا ہے دربار حسن کا یہ اعلان کرتی ہے کہ۔

"بہتر ہے۔ جاؤ۔ ہمنے معاف کر دیا۔!"

اب آپ دلی مقصود سے قریب ہو چکے۔ یعنی اصلی بوسہ کی لطافتوں کی امید کر سکتے ہین۔ اس وقت عاشق کے چہرہ پر نظر غائر ڈالیے۔ اس کے روشن چہرے پر دوڑتا ہوا رنگ۔ ہونٹوں مین اضطراب اور آہستہ آہستہ لبوں کا کھلنا۔ دانتوں کی سفید قطار خمیدہ اور آنکھوں کی جھلک اس کے دل کی مسرتوں کا پتہ دے رہی ہین۔

پھر احسانمندی کے لہجہ مین پوچھنا! "کیا میری تقصیر معاف فرمائی ہین" اور اُن کا شرمیلی نگاہوں کے آڑ مین کہنا کہ "ہاں" عاشق کے جذبات محبت مین جوش پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ایک قدم اٹھاتا ہے۔ اور حسینہ کا گرا ہوا بازو پکڑ کر اپنے ہاتھوں سے اُس کا

ہاتھ دباتا ہے۔ وہ ایک اندازِ دلربائی سے دوسری جانب نگاہیں اٹھا کر بظاہر کچھ غور سے دیکھتی ہے۔ لیکن اصل مین شیدائی کی پُرکیف موجودگی سے محو احساس ہو جاتی ہے اور اپنے نازک ہاتھ کو عاشق کی گرفت مین رکھ کر بیخودِ سرور ہو جاتی ہے۔ اب عاشق اور جراءت کرتا ہے۔ یعنی غیر معلوم جنبش سے اپنا بایاں شانہ محبوب کے داہنے شانہ کی پشت سے ملا دیتا ہے پھر بایاں ہاتھ کمر کے گرد خام سرور ہو کر معشوق کو آغوش مین بھینچتا ہے۔ تو وہ کمال محویت مین اپنے آپ کو عاشق کے حوالے کر دیتی ہے۔ اس کا کندھا عاشق کے سینے سے لگ جاتا ہے۔ اس پر وہ ایکبارگی۔ اپنا وزن بائیں ہاتھ پر قوت پہنچا کر معشوق کے بائیں شانہ کو حرکت آہستہ آہستہ گھما کر یکبارگی سامنے لے آتا ہے دونون سینہ بسینہ ہو جاتے ہین اور معشوق کا مرغوب سر مستانہ وار عاشق کے شانہ پر جھک جاتا ہے۔

دونوں طرف خاموشی ہے۔ محویت ہے۔ بیخودی ہے۔ مگر یہ خاموشی زبان حال سے دلوں کی لطف اندوزیوں کا پتہ دے رہی ہے اس حد تک کامیاب ہو کر عاشق انتظار کرتا ہے۔ انتظار! اجازت کے لیے نہیں! بلکہ انتظار کی لذت سے لطف اندوزی کے لیے۔ شغلِ عیش کی مدت مین طوالت کے لیے؛ اس کے سر کی جنبش ہونٹوں کے اضطراب، اور دل کی بیچینیوں کے سامنے اسوقت جلوہ حسن بھی ہے بیخودی کا نشہ بھی ہے۔ اور مستئ شباب بھی، مگر وہ مصروف کشمکش ہے۔ اس کے پیش نظر جام حسن بھی ہے۔ بادۂ ناب بھی ہے۔ اور ساغر سرور بھی ہے؛ اور حیران انتخاب ہے۔ کہ اپنی سرور آمیزیوں کے لیے کس کو انتخاب کرے جو بے خود اور بدمست بنا دے۔

آخر کار وہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور ایک لمبا کش لیکر ساغر شراب سرور انگیز یعنی لبہائے شریں کو ہونٹوں سے لگا لیتا ہے متواتر بوسوں مسلسل چسکیوں مین مشغول ہو جاتا ہے۔ ہونٹوں کی ہم آہنگی شباب کی پیوستگی مصروف لذت ہو جاتے ہین۔ دم بھر کو دم لینے کی مہلت نہیں۔ سانس تک لینے کی گنجائش نہیں

اور ضبط نفس حبس دم میں معشوقہ کو مسلسل شوق اور مکرر مواقع سے مشق ہے وہ اپنے کمال سے واقف ہے پیہم اور بے توقف پیشکش جام ہائے ناب سے عاشق کو مخمور و مست کرکے خستہ اور شکستہ کردیتی ہے۔ اور وہ دم لے لے کر دم توڑنے لگتا ہے

تو صاحب! یہ ہیں وہ دل فریب مناظر، اور عیش پرور مواقع جن کے لیئے ایک عاشق صادق جنگل و بیابان کی خاک چھانتا پھرتا ہے، راتوں کو آسمان کے موتی گنتا ہے، پہاڑوں کی ناہموار اور اونچی اونچی چٹانیں، اس کی گذرگاہ، غراٹے لیتا ہوا دریا، اس کا مسکن۔ ویرانہ اس کی جان۔ اور تنہائی اس کی عین خوشی ہے نہ کسی سے غرض نہ مطلب، ہر وقت روتا ہی رہتا ہے۔ کوئی اس سے پوچھے تیرے دل کی حسرت کیا ہے۔ تو آہ! نکلے گی۔ اور اس کے دل کے بھڑکتے ہوئے شعلے، اور آتش کدۂ جگر کے اڑتے ہوئے شرارے اپنی زبان حال سے صرف اتنا کہیں گے:

"ایک بار دیکھا ہے، دوسری بار کی حسرت ہے۔"

بوسہ کی قیمت

عمر کے اعتبار سے مدرسہ کی کسی دوشیزہ اور ایک پختہ شباب باعمر خاتون ایسے فریق ہیں۔ جن کے نزدیک بوسہ کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اور یہ بات صحیح بھی ہے۔ کہ بوسہ کی کبھی کوئی مستقل قیمت مقرر نہیں کی جا سکتی کیونکہ مرد عورتوں کے انقلاب حالات کے ساتھ ان کے جذبات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ تاہم ایک مرتبہ ایک بوسہ کی قیمت کا بلحاظ موقع اور ضرورت اندازہ کیا گیا تھا جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ:۔

افریقہ میں جنگ بوئر ہو رہی تھی۔ برطانیہ میں وطن دوستی اور قوم پرستی کے جذبات موجزن تھے۔ نوجوان سپاہیوں اور مجروحوں کی ہمدردی میں بتانِ محبت کا متاع حسن نثار ہو رہا تھا۔ انگلستان میں ہر طرف حسن کا نیا بازار لگا رہتا تھا۔ اسی بازار میں یہ بیش بہا معاملہ ہوا۔ یعنی پر حسن کی وفاداری کا فیض عام ہوا۔ یعنی ایک مشہور ایکٹریس مس جیمس براؤن باٹر نے کسی افریقی حبشی کو ایک بوسہ کے عیوض بیس اشرفیاں قبول کر کے قومی سرمایہ کے نذر کر دیں۔ مبصرین لطافت کا بیان ہے۔ کہ اس سیاہ فام حبشی کے کشتہ دل اور تابناک لبوں کی نشست سیمین دہن پر ایسی گرم تھی۔ کہ بوسہ کے بعد ایکٹریس کے دہن گل سے مہر کی سیاہی میں سے دل و جگر کی چنگاریوں کے ذرات دیر تک افشاں رہے۔

اس لطیف سودے کی خبر جب امریکہ پہنچی۔ تو مشکل سے آدھا گھنٹہ گزرا تھا۔ کہ اخبارات کے دفتروں نے اپنے نمائندے شہرۂ آفاق اور ممتاز ایکٹریسوں کے خیالات اس بوسہ کے متعلق معلوم کرنے کے لیے بھیج دیئے۔ اور یہ سوالات دریافت کئے (۱) آپ کے نزدیک ایک بوسہ کی قیمت کیا ہے؟ (۲) آپ کے نزدیک بیس اشرفی میں یہ معاملہ کیسا رہا؟ (۳) اگر قیمت کم لگی تو قومی سرمایہ میں کتنا خسارہ رہا؟

ان سوالات کے جواب جو چند مشاق حسینوں نے دیئے وہ دلچسپی سے خالی نہیں

(۱) لیکن رسل نے بیان کیا۔ عام طور پر اصلی جذبہ محبت اور لگاؤ کے بغیر کسی حالت میں بھی بوسہ دینا پسند نہیں کر سکتی۔ اور اتنی جرات نہیں کر سکتی۔ کہ اس کی کوئی تاجرانہ قیمت مقرر کر سکوں۔ کیونکہ جب عورت نے بوسہ دیدیا۔ تو پھر اس کی قدر و قیمت بوسہ لینے والے کی نیت اور جذبہ پر موقوف ہو جاتی ہے۔ میری رائے میں ایک جنٹی کے ساتھ بیس اشرفی میں ایک بوسہ کا سودا بہت سستا ہے۔ خواہ اس کا مقصد فیض عام اور خیرات ہی کیوں نہ ہو۔ اگر امریکہ میں کوئی وطن دوست اپاکی باسیبو (امریکن وحشیوں کے قبائل کے نام) میرے بوسہ پر یہ رقم پیش کرے۔ تو مجکو اس کے قبول کرنے میں تامل ہو گا۔

(۲) مس لینگڑی نے سوالات سنکر پہلے سکوت کیا۔ پھر جواب دیا۔

میں اسقدر کہنا کافی سمجھتی ہوں۔ کہ امریکہ کی ایک ذلیل سے ذلیل عورت بھی بیس اشرفیوں میں کسی بوسہ کا سودا کرنا۔ اپنی ذلت سمجھیگی۔ چہ جائیکہ ایکٹریس جنوبی افریقہ کی فوجوں پر مسز پاٹر نے جسقدر احسان کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے

(۳) مس اولگا ندرسول نے کہا "میں جنگ کے ایام میں اپنے وطن کے محافظ سپاہیوں اور مجروحوں کی امداد میں سب کچھ کرنے اور دینے کو تیار ہوں" پھر تامل کر کے کہا "اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ میں بیس اشرفی جیسی ناچیز قیمت قبول کر کے قومی سرمایہ میں جمع کرنے لگوں۔ بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ اگر اصل مقصد میں میرے بوسے دینے سے کسی کامیابی کی امید ہو۔ تو میں شارع عام پر کھڑی ہو کر مفت بوسے دینے کو تیار ہو نگی"

(۴) مس ایڈنا نے نہایت عمدگی سے کہا۔ " کہ بوسہ کی قیمت لگانا مناسب ہی نہیں!

(۵) مس گریس جارج نے کہا۔ "ہاں میرا خیال ہے کہ موقعہ آئے۔ تو میں بھی ایسا ہی کروں گی۔ ایک ایکٹریس اپنی روزی کے لیے عام جلوہ گاہ میں تمام ایکٹروں کو بوسے دیتی

تو ایسے شخص کو کس طرح محروم رکھ سکتی ہے۔ جو ایکٹریس کے ہم قوم مجروح اور حاجت مند بھائیوں کی امداد کے لیئے ایک رقم بھی دینے کو تیار ہو۔ مجھے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک اس کا یہ فعل لائق فخر ہے۔

(۶) مس   ۔ یہ سوالات سنکر ایک انداز جگر گداز سے مسکرائی۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ہر طرف بجلیاں گرانے لگیں۔ اور سوچکر کہنے لگی "جلوہ گاہ عام میں کسی مرد کا اپنی محبوبہ کے بوسہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بالخصوص جب کہ یہ خیال بھی پیش نظر ہو۔ کہ ایسا بوسہ کار خیر ہے۔ جس کی قیمت مجروحین کی امداد اور آرام کا سبب ہوگی"۔

(۷) مس اینی ہیلڈ جو اپنی قاتل اداؤں کی بدولت اپنے وطن میں ثانی نہیں رکھتی۔ یہ سوالات سن کر کمال شوخی سے بولی "ارے حضرت صرف ۲۵ اشرفی میں ہی بوسہ دے بیٹھی۔ میں ہوتی تو ایسی جنبش سے رقم وصول کرتی رقم۔ سو اشرفیاں گن کے سو اشرفیاں پہلے رکھوا لیتی۔ پیٹر ربرگ (روس کے دار السلطنت کا سابق نام ہے) کے بازار عاشقان ایام رس مس میں ۲۵ اشرفیوں کو تو میری تصویریں بکتی ہیں تو پھر اپنے بوسہ پر میں کیا سو اشرفیاں بھی وصول نہ کرتی۔

(۸) مس میگی کلانی سنکر کہنے لگی۔ وطن کی امداد میں بوسہ لینے والے سے کیا بحث ہمیں تو کسی بات سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ اگر مجکو ایسا موقع پڑ جائے۔ تو ایک جبشی تو کیا۔ میں تو اسپتال کے ایک ایک زخمی اور بیمار سپاہی کو مفت بوسے دوں بلکہ بوسوں کے ساتھ نقد لوازمات بھی نذر کروں۔

(۹) مس اڈنا ہومبر نے سنکر پہلے ایک دو مرتبہ کھنکارا۔ پھر کہنے لگی۔ کہ مسز باٹر نے ایک کار خیر میں شرکت کی۔ یہ تو خدمت انسانی تھی۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہو جائے۔ کہ میرے بوسوں سے فلی پائن کے مظلوم باشندوں کو یا بوئر کے مجروح سپاہیوں کو کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ تو میں امریکہ کی نصف آبادی کو مفت لذت آشنا کردوں۔ ضرورت ہوگی۔ تو برطانیہ کے سپاہیوں کی امداد میں بھی انہیں بوسوں

کچھ کم لائقِ ہمدردی نہیں ہیں۔ جن کو خوش نصیبی اور اتفاقات نے بوسوں کے لطف و انعام کے موقعے بہم پہونچائے۔ مگر ان کے بے ڈھنگے اور بے باک معشوقوں کے بوسوں کو مہذب خوش اطوار اور خوب رُو ساغروں سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی؛

عام مشاقی سے اس عمل میں جو اصلاح پیدا ہو گئی ہے۔ اُس نے اس تحریک میں بصد رجہ لطافتیں اور کیفیتیں داخل کر دی ہیں؛ انہوں نے بوسہ گیری کو بھی ایک فن بنا دیا ہے۔ اور اس کی ضرورت کا عام احساس پیدا کر دیا ہے۔ جس کے تجسس اور ذوق میں اب اتنی ترقی ہو گئی ہے۔ کہ یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ کشتی رانی۔ لہو لعب۔ رقص و سرود اور دیگر مجلسی فنون کی طرح مدارس اور اعلیٰ تعلیم گاہوں میں فنون بوسہ پر بھی نصاب تحصیل تجویز کئے جائیں گے؛

لہٰذا التعلیم تہذیب میں کسی ایسے نصاب کے اضافہ کے ممکنات پر غور کر کے مصنف نے مشتاق اور منتظر اہل ذوق کے واسطے یہ چھوٹا سا رسالہ تیار کیا ہے۔ تاکہ ان کی تشنگی اور اضطراب میں کسی قدر سکون پیدا ہو جائے۔ اور ان نوجوانوں کے لیے بھی جنہیں ابھی تک بزمِ لطیف اور خلوتِ نشاط آور میں داخل ہونے کا موقع نہیں ملا۔ یہ رسالہ رہنما ثابت ہو۔ ان کے علاوہ یہ رسالہ شباب کے مستوں کے لیے بھی جو عشق و محبت کی دلفریب دشت نوردی میں سالہا سال صرف کر دینے کے باوجود طفلِ مکتب اور پیرِ نابالغ بنے رہے ہیں۔ مشیر اور معلّم بنے گا۔

اس کتاب میں میں نے بہت سی ایسی معلومات جمع کی ہیں۔ جو عام لوگوں کو تلاش و تجسس سے بھی نہیں مل سکتی تھیں۔ اس میں فکر پسند طبیعتوں کو بہت سی پوشیدہ باتیں اور سینہ در سینہ راز ملیں گے۔ جن کے مطالعہ اور مشق سے وہ بہت سی تکلیفِ انتظار اور تضیعِ اوقات سے بچ کر تھوڑی مدت میں پختہ کار ماہر بوسہ ہو سکیں گے میں اس کتاب کو ان بامذاق حضرات کے نام پر معنون کرتا ہوں۔ جو عشق و محبت کے بے پایاں ریگستان کو علم و سائنس کے آلہائے سفر اور جلد کامیاب بنانے والے ذرائع سے کام لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ اس تھوڑی سی زندگی میں عیش و نشاط کی حدود کو زیادہ سے

کی قیمتیں نذر کر دوں گی۔ مگر ایسی ضرورت پر ایک کام کروں گی۔ وہ یہ کہ بجائے کسی فیض عام کرنے کے مین کسی ایک ہی نواب زادہ کو گردیدۂ رخسار بنا کر اس سے پوری رقم یکمشت وصول کر لوں گی۔"

حسینان انگلستان کے ان خیالات سے بوسہ کی قدر و قیمت کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہندوستان مغربی پریوں کے دوش بدوش نہیں ہے اور ان کے خداداد حسن و جمال۔ سرخ و سپید رخسار۔ گوری گوری بانہیں۔ سینۂ شباب پر دو جام بلوریں کی ایماں شکن جھلک۔ اور نظر ڈالتے ہی دل چھین لینے والی اداؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اسپر بھی ایک مشرقی حسینہ کے عارض گلفام کا بوسہ کوئی معمولی بات اور اسقدر ارزاں نہیں ہے۔ مغرب میں حسن عام ہے۔ اور مشرق میں پس پردۂ رنگین۔ وہاں ایک بوسہ دیکر بیس اشرفیاں لی جا سکتی ہین۔ یہاں بوسہ کے نام پر جان و دل فروخت ہوتا ہے۔ زندگیوں کے سودے ہوتے ہین۔ بالکل اسی طرح مغربی اور مشرقی حسینوں کے بوسہ کی قیمت میں فرق ہے۔ ناظرین کرام خود غور کریں۔ کہ اس گئے گذرے زمانے مین بھی مشرقی حسن کس حد تک بیش قیمت ہے

پہلا بوسہ کس نے لیا

مژدہ بُرا سہی! مگر اے شیخ! غور کر
کتنا لطیف طبع تھا موجد گناہ کا

کائنات عالم کی تخلیق کے ابتدائی دور مین ایک ایسا وقت بھی تھا۔ جب یہاں ایک ہی شخص موجود تہا۔ یہ تماشہ گاہ عالم اس کے گرد و پیش تہی۔ اور وہ اس کا تماشائی تہا۔ خدا کی یہ مخلوق اس کی غلامی مین حاضر خدمت تہی۔ اس کی رنگینیاں اس کی کیف اندوزیوں کے لیے وقف تھیں۔ اور وہ ان سب کا مخدوم اور مختار تھا۔ مگر پھر بھی اس مین کوئی شے اسکے لیے جاذب توجہ نہ تھی۔ اور ان مین ایک تماشائی سے زیادہ اس کو دلچسپی نہ تھی۔

چمکتے ستاروں کی محفل سازیاں اور سنہرے ماہتاب کی ضیا پاشیاں، اس کی روح مین تازگی پیدا کرنے کو موجود نہیں۔ نسیم سحر کی شہنت نثاریاں اس کے سینے مین ولولے پیدا کرنے کو چلتی نہیں۔ آفتاب کی تجلیاں جسم مین حرارت پیدا کرنے کو بڑھتی تھیں۔ اور تمام بساط سماوی نظر فریبیوں کے لیے حاضر خدمت تہیں مگر اس کو اُن سے کوئی وابستگی معلوم ہوتی نہی۔

لب دریا زم گرم ریت پیرون مین گدگدیاں پیدا کرتا تہا۔ پانی کی لطیف موجیں بڑھ بڑھ کر قدمون کو دہوتی تہیں۔ ساحل پر سبزہ لہلہاتا تہا۔ اور خوبصورت پھول اٹھلاتے اور اتراتے تھے۔ مگر وہ خاموش تھا۔ سمندر کی تلاطم خیز لہریں۔ اس کیساتھ شرارتین کرتین۔ اور دیو صورت بلند قامت ہوکر اس سے لپٹ جانے کو بڑھتیں۔ مگر جب اس کے سکوت مین تزلزل پیدا کرنے سے عاجز رہتیں۔ تو عرق ندامت سے بلبلون مین پاش پاش ہوکر جھاگ کے کشمیری کفن مین بہہ جاتیں۔ لیکن اسکی تنہائی کی خاموشیون مین پھر بھی کوئی تحرک پیدا نہ ہوتا تھا۔

وہ خونخوار شیرنی کو اپنی ماندین اپنی فطرت کے خلاف بچوں کیساتھ پیار و محبت سے کھیلتا دیکھتا تھا۔ میدانوں مین گائے کے سامنے ہرنیوں کا چوکڑیاں بھرنا۔ اور انواع واقسام کے حیوانات کا معصومیت سے شوخیاں کرنا۔ اور ان کے بچوں کا اپنی حیات معصوم پہ نازاں ہوکر شرارتیں کرنا اس کی نظروں کے سامنے ایک تماشہ تھا۔ لیکن اس کو خاطر خواہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔

سبز درختوں کی بلندیوں پر پرندوں کا چہچہانا جھاڑیون کے جھنڈ مین ان کا کھیلنا۔ اپنے ہم جنسوں مین ان کی نغمہ سازیاں اس کے سامنے لطف اندوز سماں تھے لیکن اس کے لیے ان میں کوئی دلکشی نہ تھی۔

شب کی خاموشیوں مین کائنات کی روح پرور صدائیں۔ اس کے حظِ نفس کے لیے موجود تھیں۔ بادِ صرصر کی گونج اس کے کانوں تک پہنچتی تھی۔ تاروں بھری رات کی پرکیف روشنی میں پتیاں ہلتی تھیں۔ پھول مہکتے تھے۔ اور نسیم کی سیم آراتیاں اس کے دل و دماغ کو تازگی پہنچاتی تھیں۔ غرضیکہ قدرت کی بے شمار نعمتیں اس کی سرور خیزیوں کے لیے مصروف دلنوازی تھیں۔ مگر وائے حسرت! اس پر بھی وہ سب اس سے داد لطافت حاصل کرنے مین ناکام رہتی تھیں۔

سال پر سال نکل گئے۔ عمر گذر گئی۔ پھر بھی مدتوں کی ہم نشینی اور برسوں کی راہ و رسم کے باوجود یہ تنہا انسان ان کیفیات سے محظوظ نہ ہو سکا۔ یہ ضرور ہے کہ اپنی مافوق الفطرت اور بلند پروازیوں سے وہ ان کی کرشمہ سازیوں اور سرور آمیزیوں کو سمجھتا۔ اور مناسب قدر کرتا۔ مگر یہی وہ جوہر بھی تھا۔ جس کی بلندی معیار اور عالی نظری ان کیفیات کی جلوہ آرائیوں کو مقبول اور مونس بننے سے باز رکھتی ہے۔

گو قدرت کے ان انعامات اور اسباب مین اس کے لیے کوئی خاطر خواہ دل بستگی نہ تھی۔ اور وہ ان مین محو نہ تھا۔ لیکن تماشہ گاہ عالم کی یہ کرشمہ سازیاں اتنی بے اثر بھی نہ تھیں۔ کہ بے نتیجہ رہتیں۔ انہیں اسباب سے وہ سمجھا کہ یہاں ہر

ذی روح اور ہر متحرک جسم سرور و انبساط کے کامل سامان اور زینت کے جملہ اسباب سے متصف ہے۔ وہ سمجھنے لگا۔ کہ ہر متنفس شے اوصاف اور خصوصیات کے اعتبار سے نتائج کے اوزان مین مساوی اور یکساں ہے۔ وہ تمیز کرنے لگا۔ کہ ہر جنس کے مقابلہ مین اس کی ضد ہے۔ اور ہر عنصر ضدین ہی سے مرکب اور مکمل ہوتا ہے وہ یہ بھی فرق کرنے لگا۔ کہ گو۔ ہر جنس انفرادی حیثیت سے ناقص اور ناکارہ ہوسکتی ہے۔ لیکن یہی ناقص جزو اپنے دوسرے جزو۔ ضد یا مقابل سے پیوست ہوکر ایک ایسا وسعت پذیر عالم بن جاتا ہے جس پر خود اس کائنات ارضی کی رونق اور بقا کا انحصار نظر آنے لگتا ہے۔

جب ذہن رسا کی عالی نظری اس حد تک پہونچنے لگی۔ تو وہ یہ محسوس کرنے لگا۔ کہ قدرت کی اس ساری محفل مین اسی کی ایک ایسی ذات ہے۔ جو گو بظاہر ہر چند مکمل نظر آتی ہے۔ مگر معناً ناقص۔ گو بادی النظر مین آزاد اور مختار ہے۔ لیکن صحت کے خیال سے محتاج تکمیل ہے۔

مشاہدہ کے اس درس کے بعد اس کا وجود ابھی تک غیر مکمل ہے۔ اور اس کی ہستی بے نتیجہ جزوی اور محتاج تکمیل ہے۔ وہ غور کرنے لگا۔ مگر جسقدر غور و فکر سے کام لیتا۔ اور سمجھتا اسی قدر مضطرب ہوتا۔ تڑپتا۔ اور وحشت پذیر ہوتا تھا۔ لیکن بہ ایں ہمہ علاج پر قادر نہ تھا۔ وہ علاج کے تخیل سے بھی ناواقف تھا۔ فکر کی جولانیاں عاجز تھیں۔ ممکن ہے کہ مشاہدہ عالم سے یہ کلیہ قائم کرسکا ہو۔ کہ اس کے وجود کے منشاء کی تکمیل کے لیئے اسکو بھی کسی ضد کیضرورت ہے۔ لیکن یہ حقیقت ضرور ہے۔ کہ اس کے معصوم ذہن مین اس ضد اس جزو ثانی۔ اس عنصر تکمیلی کا کوئی خاکہ نہ قائم ہوا تھا۔ اس کے خواب مین بھی اس دُر نایاب کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ اور شکل کیونکر نظر آتی۔ جب اصل شے ہی معدوم تھی۔ کوئی معلم بھی نہ تھا۔ اور یہ کیوں کر ہوسکتا تھا۔ جبکہ اس کا علم ہی نہ تھا۔

دنیا کے اس معصوم اور بیگانہ انسان کی نظروں سے جب مطالعہ نے پردہ ہٹا دیا۔ تو اس نے دوسری منزل میں قدم رکھا۔ وہ سن ہوش و حواس کو پہنچا۔ اور اپنی تنہائیوں

مین روز افزوں بے چین ہونے لگا۔ اب دریا مین موجوں کی شوخیاں۔ سبزے میں ہرنوں کی چوکڑیاں چمن زاروں مین برگ وگل کی جلوہ آرائیاں پرندوں کی سامعہ نوازیاں اور نسیم کی شامہ نوازیاں، اس کے دل و دماغ مین وحشت پیدا کرنے لگیں۔ اس کے دل مین گدگدیاں اٹھتی تہیں۔ لیکن جب جذبات آرزو حسرت کے بادلوں سے ٹکراتے تو سینے مین بے چینی اور تڑپ کی بجلیاں کوند جاتی۔ لبوں سے آہ کی باد صرصر چلنے لگتی۔ اور چشم تر سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ اس کو یقین ہونے لگا۔ نہیں نہیں۔ بلکہ اب وہ دل کی بےچینیوں مین دیکھنے لگا۔ کہ ابھی اس کو کچھہ اور چاہیئے۔ کچھہ اور۔ ہاں کچھہ اور۔ اس لیئے کہ اس سے زیادہ کچھ اور وہ نہ بتا سکتا تہا۔ اور نہ سمجھہ سکتا تہا۔

عرصہ دراز تک اسی طرح کی کوفت اور کاوش کے بعد ایک صبح کو جب یہ انسان یہ تنہا انسان نیند سے بیدار ہوا۔ اُس نیند سے جس مین کبھی کوئی خواب بھی نظر نہ آیا ہوگا؛ اور کم سے کم ایسا خواب جس مین کوئی شبیہہ حسن ظاہر ہو کر اس کے لیے سامان تصور پیدا کر سکتی۔ کوئی تصویر تخیل جلوہ آرا ہو کر آرزو کے سرور پیدا کر سکتی۔ وہ اس نیند سے بیدار ہوا۔ اور استراحت شکن انگڑائی سے اپنے لمبے لمبے بازوؤں کو دراز کیا۔ تو ناگاہ اس کا ہاتھ ایک نئے جسم سے مس ہوا۔

اُس روز سے قبل اپنے دیرینہ قیام مین گردوپیش کے بعض خوبصورت جانوروں کے اس کے ساتھ کچھ ایسے تعلقات ہو گئے تھے۔ کہ اسکو ان مین سے متعدد حیوانات اور پرندوں سے اُنس ہو گیا تھا۔ جو اس کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ یہ حیوان بیداری مین اس کے رفیق تفریح اور یاران غمگسار ہوتے۔ اور سوتے مین اس کی نگرانی کرتے اور پاس بیٹھ کر اس کے جاگنے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ وہ اُن سے آشنا اور بے تکلف تھا۔ اور اس سے پیشتر متعدد بار ایسا ہوا تھا۔ کہ وہ جب کروٹ لیتا یا بے اختیاری سے کوئی جنبش کرتا۔ تو اس کا جسم ان بے تکلف دوستوں مین سے کسی کے جسم سے مس ہو جاتا تھا اس لیے بعید نہیں کہ اس صبح کی بیداری پر بھی اس کا پہلا خیال اپنے گردوپیش کی کسی ذی روح مخلوق کی طرف گیا ہو۔ اور یہ سمجھا ہو۔ کہ اسوقت بھی کوئی مانوس اور بے تکلف جانور

پاس سوتا ہے۔ لیکن جب دیکھا تو معلوم ہوا۔ کہ نہیں یہ چیز تو کچھ اور ہے۔ یہ جسم توان سب سے مختلف ہے۔ یہ مخلوق توان سب سے جدا ہے۔ نظر کے دھوکے اور غلط فہمی رفع کرنے کے لیے وہ یکبارگی اس حیرت انگیز پتلے کی طرف متوجہ ہوا۔ تو اس کے دل کش حسن سے مسحور ہو کے رہ گیا۔ اس نے سمجھنے کی کوشش کی۔ اور پہلو کی کہنی کا سہارا لیکر اس بینظیر اور حسین پتلے کو دیکھنے لگا۔ عجیب کیفیت تھی۔ اس کے دل و دماغ کی اس گھڑی کی جب وہ اس پتلہ کو دیکھ رہا تھا۔ گو یہ قالب اس کے بے کیف اور ناآشنائے سرور زندگی میں حیات تازہ بخشنے والا تھا۔ مگر وہ اس سے کسقدر ناآشنا تھا۔ یہ جسم گو ہر چند اس کا ہم شکل بلکہ عکس تھا۔ ضد اور مقابل تھا۔ اور اس کی ہی بے نتیجہ زندگی کو نتیجہ خیز اور دوامی بنانے والا تھا۔ مگر وہ ہی اس سے ناواقف بلکہ سب سے زیادہ ناواقف تھا۔

گول گول کلائیوں پر سر ناز رکھے یہ پتلا محو خواب تہا۔ لمبے لمبے سنہرے بال سرسے دراز ہو کر دور دور تک پہنچے ہوئے تہے۔ اور پہلو اور سینہ پر پریشان ہو کر خمار آمیز جاذبیت پیدا کر رہے تھے۔ انہیں بالوں کے جال کے پردہ سے اس کے گداز بدن اور مخملی جلد کی پُر سرور رنگینیوں میں ثمر ہائے نورس کی تازگی اور شیرینی کی خوشبوئیں بلند ہو کر اس کو بے خود کررہی تہیں اس کے اعضاء کے کمال تناسب اور ان کے حسن و جمال میں اس کے لیے بے پناہ کشش تھی۔ اس کے سانس کے محدود رفعت کی بھینی بھینی عطر بیزیاں اس کو از خود رفتہ اور مست کئے دیتی تھیں۔

یہ بیخود تماشائی اس نظارہ میں مشغول د وارفتہ بن بن کر دماغ کی بلند پروازیوں سے بار ہا سوال کرتا تھا۔ مگر وہ جامد تھیں اس کا ذہن رسا اس معمہ کو حل کرنے میں مصروف ہوتا تھا نہ مگر کسی نتیجہ پر پہونچنے سے قاصر تہا۔ لیکن بے اختیار ہو ہو کر پیش قدمی کی ترغیب دیتا تھا۔ مگر جبالت ڈرانی تہی۔ اور وہ سہم کر رہ جاتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اس کو دیکھتا رہے۔ مگر چھونے سے خائف تہا۔ کیونکہ اس کو اندیشہ تہا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ یہ شکیل و جمیل قالب غائب ہو جائے اور وہ اس دلربا نظارہ سے بھی محروم رہجائے

یہ تماشائی اسی خیال میں محو تھا۔ کہ اس حسین پتلہ کی آنکھوں کا پردہ چاک ہوا۔ اس کی پلکوں میں جنبش ہوئی۔ اور مست شباب آنکھیں کھلیں۔ اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ تو تماشائی کی نظروں سے چار ہوئیں۔ بظاہر یہ خفیف سی جنبش تھی۔ ادنی سی تبدیلی اور بے حقیقت سی حرکت تھی۔ مگر اس گرفتار سحر کی نگاہوں میں اسرار پوشیدہ کا ایک عالم اور رازہائے پنہاں کی ایک دنیا منکشف ہوگئی۔

ابھی وہ اس نئے راز کو سمجھنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ اس مرکز توجہات کی اس کتاب قدرت میں ایک اور تبدیلی ہوئی۔ اس کے لبوں پر، رسیلے لبوں پر ایک خفیف سا تبسم پیدا ہوا جس نے اس شخص کے معصوم اور ناآشنائے محبت دل میں تلاطم برپا کر دیا۔ اس کے ناواقف اور بے کیف سینہ کی تاریکیوں پر بجلی گرادی۔ یہ معصوم محو انبساط ہوکر اپنی پریشانیوں سے ابھی سنبھلا بھی نہ تھا۔ اور دلی کیفیتوں کا جائزہ لینے پر ابھی متوجہ ہوا ہی تھا۔ کہ اس دل کش قالب میں ایک اور تازہ تبدیلی ہوئی۔ اس کا ایک ہاتھ ایک نورانی ہاتھ ہلا اور اپنی جگہ سے بلند ہوکر اس گرفتار آفت! لطیف آفت کی گردن میں حلقہ ہوگیا۔

جب تک جذبات اور روحانی کیفیات کے دام میں گرفتار ہو رہا تھا۔ تو نجات کی امید تھی۔ لیکن جب ایک بے پناہ کمند گردن کا طوق بننے لگی۔ تو یہ زاہد خشک گھبرایا۔ اور چاہا۔ کہ بھاگے۔ مگر اس کوشش میں ایک حقیقت پھر منکشف ہوئی۔ اس کو معلوم ہوا۔ کہ اس نورانی کمند میں قوت تسخیر بھی ہے۔ لہذا عاجز ہوکر ساکت رہ گیا۔ اور خود کو واقعات کے رحم پر چھوڑ دیا۔ دست سیمین میں کشت زار تمنا سینے کی طرف کھینچنا شروع کیا اور کھینچا حتی کہ دونو سینے باہم مل گئے۔

خدا ہی جانتا ہے کہ اس زاہد خشک اس ناآشنائے سرور کو ان اسرار ہائے مسلسل اور واقعات پیہم کے سمجھنے اور اپنی ناقص رائے سے لاینحل معمے حل کرنے میں کتنا عرصہ لگتا اور وہ اضطراب وانتشار کی وادیوں میں کبتک سرگرداں پھرتا۔ اس لیے اس قالب سے ایک اور راز عیاں ہوا۔ اس کی شریں اور بے حد شیریں آواز نے نغمہ ساز ہوکر پہلی مرتبہ سامعہ نوازی کی۔ اور طلسم کے اس تمام سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے توڑ دیا۔

اُس نے کہا "سُن کہ مین تیری رفیق حیات ہوں۔ مین تیری دلنوازی کے لیے بنی ہوں۔ اور تو مجھ سے ہی محبت کر سکتا ہے۔ تو اپنے گردوپیش کی کائنات کو میرے بغیر نہیں سمجھ سکتا۔ یاد کر۔ یاد کر۔ تو نے کس قدر صحرانوردی کی ہے۔ کیسے کیسے قیاس دوڑائے ہین تو نے دنیا کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ تجکو زندگی مین بہت سے سابقے پڑے ہین۔ بے شمار تجربے ہوئے۔ مگر سال ہا سال کی محفل آرائیوں کے باوجود تو نے اپنے آپ کو سب سے بیگانہ اور الگ پایا۔ سب ناآشنا اور غیر ثابت ہوئے۔"

"ہاں تیرے دل مین ایک خلش تہی۔ تو پراگندہ خاطر تہا۔ تجکو کسی کی تلاش تہی۔ گو تجکو سب کچھ میسر تہا۔ مگر چاہتا تھا۔ کہ کچھ اور بھی ہو۔ لیکن نہیں بتا سکتا تہا۔ کہ یہ کیسی خلش تہی۔ کیوں پراگندہ خاطر تہا۔ کس کی تلاش تہی۔ کچھ اور کیا چاہیئے تھا۔؟"

نئے قالب کی نوازشہائے انبساط سے اس گرفتار جہالت نے گھبرا کر ایک مرتبہ پھر اٹھنے اور الگ ہونے کی کوشش کی۔ مگر محبت کے اس معلم نے اس کے ارادے سے آگاہ ہو کر آغوش کی گرفت کو مضبوط تر کر لیا۔ پھر سلسلہ درس یوں شروع کیا۔

"فطرت نے ایک امانت تیرے اندر ودلیعت کی ہے۔ اس کو پورا کر۔ تو میرے خواب کی تعبیر ہے۔ مین تیرے لیے پیدا ہوئی۔ اور اس قالب کو اختیار کیا۔ میری آرزوؤں کو پورا کر۔ اپنے قوتوں سے کام لے۔ تاکہ ہماری روحیں ہمساز ہو کر خدا کی اس کائنات پر حکمراں ہوں۔ تیرا جسم اب تک ایک بے روح غلاف تھا۔ تیرے جذبات ابتک بے نور جلد مین سرگرداں تھے۔ تیری تخلیق کا مقصد ابتک بے نتیجہ تھا۔ غور کر اس کائنات مین قدرت کا بہترین نمونہ تیری ذات کی تخلیق ہے۔ لیکن اس کے باوجود تو ہی ابتک سب سے زیادہ بے کار اور بے سود ثابت ہوا ہے۔ اس مین شک نہیں کہ تجکو اپنی کمزوری اور قدرت کے اس نقص کا احساس تھا۔ مگر تو خود اس کے سمجھنے سے قاصر رہا۔"

جس شے کی تیرے دل مین خلش تہی۔ وہ میرے علم مین ہے۔ اور جس چیز کی تجکو تلاش تھی۔ وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ اور تیری امانت ہے۔"

سُن اور آگاہ ہو۔ آیندہ تیری رازدار زندگی مین ہی ہوں گی۔ ہم دونوں خدا کی

مقتدر مخلوق کے سرچشمہ ہوں گے۔ آج تو آسمان پر ستاروں کے شمار سے عاجز نظر آتا ہے لیکن ہمارے اتحاد سے اتنی مخلوق پیدا ہوگی۔ جو فرش زمین پر ستاروں سے زیادہ مسلط ہوگی۔ آج تجکو افلاک کی وسعتوں اور بلندیوں پر حیرت ہوتی ہے۔ لیکن ہماری اولاد ہوگی جس کی وسعت خیال مین یہ وسعتین سما جائیں گی۔ اس کی رفعت نظر کے سامنے یہ بلندیاں پست اور ہیچ رہ جائیں گی۔ اس مخلوق کی مستقبل کی تمام مسرتیں میرے سینے مین پنہاں ہین۔ مین اپنی اولاد کی خوشکامیوں اور مسرتوں سے آگاہ ہو کر مطمئن اور خدا کی شاکر ہوں۔

لیکن خوب سمجھ لے۔ کہ ان مسرتوں کی روح تیرے اندر مضمر اور ودیعت ہے۔ او ناآشنائے حقیقت مین وہ ثمر لذیذ ہوں۔ کہ اگر تو اس کو توڑے اور کھائے تو تیری آنکھیں کھل جائیں۔ اور ہم پر رازہائے پنہاں منکشف ہو جائیں۔ ہم اس کائنات عالم مین خدا کے نائب اور امین بن جائیں۔ اس کی مخلوق کی خلافت کے ہم ہی وارث ہوں۔ اور دنیا کی بادشاہت ہماری ہو جائے۔ پس سُن اور مان۔ تو عامل ہے مین معمول، تیرا کام تحریک ہے۔ اور میرا فرض تسلیم"

نیم بیدار انسان نے یہ سب کچھ سُنا۔ سوچا۔ غور کیا۔ اور پھر ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ ایزدی مین اُس کی دی ہوئی نعمتِ اعلیٰ کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

حسین نگاہین اس بھولے انسان کو مسکرا مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔ اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتی تھیں۔ جب انسان شکریہ ادا کر چکا۔ تو اُس نے پھر اس نعمت کیطرف مڑ کر دیکھا۔ رسیلی نگاہیں شرمیلے انداز سے ملین۔ چہروں پر مسکراہٹ آئی۔ اور۔ — گوری گوری کلائیاں کسی کے گلے مین حائل ہونے کے لیے بڑھیں کہ یکایک لب سے لب پیوست ہو گئے۔ اور دونوں بیخود نظر آنے لگے۔

یہ وہ لذت تھی۔ جو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے انسان کو ملی۔ اور اُس نے عورت کو مجموعۂ الطاف و لذائذ سمجھا۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

زیادہ وسیع کرسکین۔ اور اس مین داخل ہوکر بیش از بیش لذت گیر ہوسکیں۔ اور موقع کی ضرورتوں کے مطابق اپنی خوش ہنگامیوں مین اول وقت سے ہی رنگینیاں پیدا کرسکین *

(ایم۔ اے۔ مارک)

ابتدائے عیش کے لوازمات

ایک منظوم خط

" خود صنف لطیف ہونے کی وجہ سے مین بوسہ کی مشاقی اور اس کے کمال کا تو دعویٰ نہیں کرسکتی۔ لیکن یہ فرض کرکے کہ بوسہ گیر مرد ہو۔ اور ساقی و جام ایک لطیف دوشیزہ مین ان کی یکجائی کے تصور سے چند خیالات پراگندہ قلمبند کرنا چاہتی ہوں۔

اگر مینوش مشاق ہے۔ اور چاشنی سے خوب واقف ہے۔ تو آپ بھی میری طرح سمجہیں گے۔ کہ بوسہ و ساغر سے پوری طرح کیف اندوز ہونے کے لیے۔ خلوت باہمی چھیڑ چھاڑ۔ شرارت ضروری ہے۔ کسی قدر شریت بھی داخل ہو۔ تو پھر چار آنکھیں، مستانہ نگاہین معروف تماشا اور دل مضطرب کیف اندوز۔ رندانہ دست درازیاں اور معشوقانہ شوخیاں بہشت سے بے نیاز کردیں گی۔

مسٹر ایڈیٹر اس میں شک نہیں کہ آپ نے کالی گھٹاؤں کے پھٹنے کے بعد نیلگوں؛ آسمان کے دل فریب مناظر دیکھے۔ اور حسینان ناز کے نغمے سُنے ہین۔ آپ کی آغوش مین رشک حور معشوق رہے ہین۔ آپ نے ان کو سینے سے لگایا ہے۔ اُن کے شیریں لبوں کے شیریں کشش سے لذت گیر ہوئے ہین۔ اور ان کی تمام فیاضیوں سے بہرہ ور ہوئے ہین۔ اس سلسلہ مین میرا آپ سے کچھ کہنا۔ آفتاب کو شمع دکھلانا ہے۔ مین ابھی ریلے احساسات کی غوطہ خور نہیں ہوں۔ تاہم اپنے جیسے مبتدیوں کے واسطے اپنے خیالات نظم کرتی ہوں۔ ممکن ہے کہ اپنی دلگدازیوں کے سبب مقبول ہوجائے۔ اور بوسہ کی عریاں مگر معصوم دلکشیوں مین کسی کی رہنمائی کرجائیں۔

تم کو جب ہی بوسہ سے لطف اندوزی کا موقعہ ملا ہوگا۔ تو تم نے مسرت اور نشاط کے ہزارہا چشمے پائے ہوں گے؛ اور ایک عجیب کیف جس میں سادگی اور رنگینی؛ عجلت اور مہلت؛ اطمینان اور اضطراب دونوں سے واسطہ پڑا ہوگا۔ بوسہ اصل

میں جسمانی لطائف اور لذائذ کے حصول کا دروازہ، اور دلی خلوص۔ ہمدردی۔ اور پیار و محبت کے اظہار کا ایک معقول ذریعہ ہے۔

لبِ شوق کی گستاخی!

پھر خواہشیں دل میں چٹکیاں لیں
ہو فکرِ حصولِ عیش دل میں
اصرار ہو بے قراریوں کا
محبوب کی سحر کاریوں کا
مجبور ہو اپنی آرزو سے
بے تاب ہو لطفِ گفتگو سے
یہ سوچ کے یہ سمجھ کے آخر
ہے جذبۂ دل پہ کون قادر
تنہائی ہے راز دارِ الفت
بجائے سکوت سازِ الفت

آنکھوں سے کہے نیازِ الفت
اشکوں سے کرے بیانِ اُلفت
اس طرح نگاہ بازیوں سے
ہر قسم کی حیلہ سازیوں سے
مِنّت سے بہت سماجتوں سے
ایک بوسۂ رُخ اُچک کے لیلے

(ایک بیباک عورت)

ناتجربہ کاری کے بوسے

شب کا وقت، محبوب کا مکان، کمرے مین بجلی کے قمقمے آویزاں قمقموں سے گلابی روشنی کا چھن چھن کر خلوت گاہ کو بقعۂ نور بنا دینا۔ محفل کا برخاست ہو جانا۔ مگر خوش نصیبی سے میرا تنہا رہ جانا۔ معشوق کا اپنے مست لباس اور مرغوب انداز سے سامنے موجود رہنا۔ ہلکے گلابی نور کا اُن کے چہرے اور لباس پر نور افشاں ہو کر قیامت برپا کرنا ان کی دلربائیوں کے لیے میرا داد حسن دینا۔ خوش گلو اور شیریں سخن بن کر میرا بہت سی غیر ضروری باتیں چھیڑنا۔ اپنے تصورات پیش کرنا۔ اور عرض کرنا راستے مین کیسے دل فریب خیالات، کیسے دلگداز منصوبے ساتھ تھے۔ سوچتا آتا تھا۔ کہ ان سے مل کر یہ کہوں گا۔ اور وہ کہوں گا۔ اس وقت ان میں سے ہر ایک کو یاد کر کے میرا عرض کرنا اپنی تقصیر اور فرد گذاشتوں کی معافی مانگنا۔ گاہے گاہے غلط بیانیوں میں تصنع سے کام لینا۔ اور پھر معذرت کرنا۔ ان کا مجھے ملزم ٹھہرانا۔ میرا اقرار کرنا۔ پھر اپنی فتحیابی پر ان کا خوش ہونا۔ اور میرا طالب رحم بننا۔

ان کی چلبلی شرارتوں پر میرا نیم بسمل ہونا۔ اور ان کا بے نیازی، نہیں نہیں تجاہل عارفانہ سے کام لینا۔ میرا تسلیم و رضا پر عمل کرنا۔ ان کا خوش ہو کر مسکرانا اور شوخیاں کرنا۔ میرا کچھ جرأت کرنا۔ ان کا متنبہ کرنا۔ میرا حیرت سے پوچھنا۔ کیا ان کو بھی میری سچی محبت کا درد ہے۔ پھر میرا بدگمان بن کر کہنا کہ محبوب بے کار اوقات مین سامان تفریح اور مسخرا سمجھتی ہیں۔ موقعہ دیکھ کر ان کی آزمائش کا ارادہ کرنا۔ اور ایک بوسہ کی درخواست کے الفاظ ذہن مین مرتب کرنا۔ الفاظ کا انتخاب۔ ترتیب و بندش تخیل کا خاکہ تیار کرنا۔ مگر ان کے رعب حسن اور کافر اداؤں سے مسحور ہو کر ساری جرأت کا کافور ہو جانا۔ میرا سرد پڑ جانا۔ گلوگیر ہو جانا اور پیشانی کا پسینہ پسینہ ہو جانا۔ پھر گم کردہ ہوش ہو کر میرا کچھ بولنا۔ میرے تصورات کا انہیں کے سر قدمی کی

تصویریں بنانا۔ بوسہ کے خیال پر میرے ہونٹوں کا مضطرب ہونا۔ احساسات کا گدگدیاں لینا۔ اور پھر بیکار گی ہوش مین آکر دنیا کی تمام مسرتوں اور عیش و نشاط سے اپنے آپ کو محروم اور مہجور سمجھ لینا۔

ہجر اور یاس کی تاریک ظلمت میں ایک شعاع امید کا جھلکنا۔ یعنی ذہن مین ایک نئی تدبیر کا آنا۔ میرا اس پر فوراً عملدرآمد کرنا۔ اور فیصلہ کر لینا۔ بیچ کی میز پر ایک البم رکھا نظر آتا ہے۔ جس میں ان کے گھر کے لوگوں کی تصویریں لگی ہین۔ جس کی وجہ سے ظاہر ہے اس کی ورق گردانی کسی غیر کے لیے باعث دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ مین اس کو بارہا پیشتر بھی دیکھ چکا ہوں۔ اس لیے اسی کو ذریعۂ کامیابی بناتا ہوں۔ اور اس البم کو لاپرواہی سے اٹھا کر ورق گردانی مین مصروف ہو جاتا ہوں۔ اس طرح سے ان کی بھوپی کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اس مین ان کی صورت سے بہت کچھ مشابہت ہے مین انجان بن کر حیرت سے تصویر دیکھنے لگتا ہوں۔ پھر اسی حالت مین تصویر والی کو دریافت کرتا ہوں۔ وہ میری پریشانی دیکھکر ہمدردانہ بڑھتی ہے۔ اور میرے شانوں پر سے جھک کر ایک شریر تبسم سے اٹھلا کر کہتی ہے۔ کیوں "احمق بنتے ہو"؟ دیوانے ہو پھر بھول گئے۔ دو دفعہ تو خود بتلا چکے ہو۔ اب پوچھتے ہین کس کی تصویر ہے۔ اس کی قاتل اداؤں کو دیکھکر سینہ مین دل بیتاب ہو جاتا ہے۔ تو ذہن رہنمائی کرتا ہے اب پیار لینے کا وقت ہے۔ آہ! میرا اس سے جھجکتے ہوئے کہنا۔ مس ہابل..... خفا تو نہ ہوگی..... یعنی..... اہم..... کیا خوب..... مشابہت ہے"

اور ان کا بگڑ کر کہنا "ہے ہے! توبہ، مین سمجھی تھی۔ کوئی بات کہو گے۔ کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو؟ کیا جانتے نہیں؟ کبھی دیکھا نہیں"

میرے لبوں پر پھر سکوت لگ جاتی ہے۔ اور میری حالت ہارے جواری کی سی ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر کوشش کرتا ہوں۔ اور یہ عہد کرتا ہوں۔ کہ ہر چہ پادا باد اب کے تو کہہ ہی دوں گا۔ چنانچہ پھر "خفا تو نہ ہوگی..... اگر مین..... اگر میں..... یعنی (سر کھجلاتے ہوئے) کیا میں..... میں..... میں جرأت کر سکتا ہوں"

وہ تاڑ کر پھر ایک شوخی سے ہمدردی کرتی ہے۔ "کیا مضائقہ ہے۔ گرمی لگ رہی ہے۔ تو میں دروازے کھولے دیتی ہوں۔ ایسا بھی کیا تکلف کرنا! پہلے سے کیوں نہ کہا"؟

اونہہ! کوفت! کیسی کوفت! کون بدبخت چاہتا تھا۔ کہ دروازے کھولدیئے جائیں۔ یہ تو اُلٹی پڑ گئی۔ افسوس (ملین وہ دیکھو گھر کے سب لوگ برآمدے کے اندھیرے ہی سے جھانک رہے ہیں۔) اور سارے ولولے ٹھنڈے پڑ گئے۔ (اے کاش ہوا کا ہی کوئی جھونکا دروازہ بھیڑ دے، بلکہ ہوا برابر چلتی رہے اور دروازہ بند رکھے) کچھ دیر تک انہیں خیالات میں اُلجھا رہتا ہوں۔ ان سے بھی کچھہ غیر متعلق باتیں کرتا ہوں۔ پھر ان کی نظریں دوسری طرف دیکھہ کر میں ایک بارگی دروازہ بند کرنے بڑھتا ہوں۔ مگر ہائے رے شوخی! ان کا تبسم سے تڑپ کر کہنا۔ "تمہیں گرمی لگے گی دروازہ بند مت کرو" اور پھر جگہ بدل کر دوسری جگہ بیٹھ جانا۔ سمجھو کسقدر پشیمان کردیتا ہے۔

میں بیٹھکر پھر اپنی کمزوری سے کلستا اور جلتا ہوں۔ یکایک ایک حیلہ تراش کر کہ جسم میں سردی لگ رہی ہے۔ میں ایک زبردست دلیری سے کام لیتا ہوں؛ اور گھبرا کر جلدی سے دروازہ بند کردیتا ہوں۔

خلجان کمبخت پھر شروع ہوتا ہے۔ پھر ارادہ کرتا ہوں۔ اور فیصلہ کررہا ہوں کہ اب کی چاہے زمین پھٹ جائے۔ آسمان گر پڑے۔ میں مرجاؤں۔ اور زمین میں دھنس جاؤں۔ غرضیکہ دنیا میں چاہے کچھہ ہوجائے۔ مگر میں اظہارِ مدعا کردونگا؛ لہذا تمام روحانی اور جسمانی قوتیں جمع کرکے اور تمام ہولناک حوادث اور عبرتناک نتائج کی ذمہ داریوں کا بار اپنے سر پر رکھ کر ان سے اظہار مدعا کرتا ہوں۔ یعنی ایک بوسہ کا سوال کردینے میں کامیاب ہوجاتا ہوں۔

سکوت۔ ہر طرف سکوت۔ عالمگیر خاموشی ہائے وہ تو میری طرف دیکھتی ہی نہیں۔ نظروں سے غصہ اور غضب نمودار ہے۔ آہ میری پریشانی۔ میری پشیمانی

یہ کیا ہو گیا۔ کیا کروں۔ کیا ہو گا۔ کچھ سمجھ مین نہیں آتا۔ ناراض! لیکن کیسے معلوم کہ وہ ناراض ہین۔ مین مزید طمانیت کے خیال سے بہت رُکتے جھجکتے ہوئے ضعیف اور مترنم آواز مین عرض مکرر کرتا ہوں۔

یکایک ان کی نگاہین اٹھتی ہیں۔ جن کی چمک سے مجھ پر بجلی گرتی ہے۔ ایک تحقیر آمیز انداز سے آپ۔ آپ۔ کیا خوب! اس کے یہ کلمات مختصر بہت دھیمی آواز مین تھے۔ اتنی ضعیف کہ میرے کانوں تک بھی مشکل سے پہنچے تھے۔ لیکن میرے احساسات مین ایک شور ہو گیا۔ میرے تخیلات مین قیامت برپا ہو گئی۔ ایک عذاب نازل ہو گیا میرے تصورات مین اس کا بوڑھا باپ اپنی نشست گاہ سے نکل کر غضب ناک طور پر مجھے سامنے کھڑا گھور رہا تھا۔ (وہ اپنے کمرے مین سو رہا تھا) مین اس کی ہولناک دھمکیوں کو لرز رہا تھا۔ اور سہم سہم کر منتظر تھا۔ کہ اب میری گردن ہو گی اور اس کا ہاتھ۔ نہیں نہیں ریوالور کی گولی آتی ہو گی۔ باہر تماشائیوں کے کثیر مجمع سے آوازیں آرہی تھیں۔ جو یہ دیکھنے کے منتظر کھڑے تھے۔ کہ گھر کے لوگ ابھی میرے ہاتھ پیر باندھ کر ان کے سامنے گھسیٹتے ہوئے ذلت و رسوائی سے مجھے باہر نکالیں گے۔ میری گھبراہٹ کا یہ عالم کہ چاہتا تھا۔ زمین شق ہو جائے اور مین سما جاؤں۔ دنیا مین مین ہی سب سے زیادہ ذلیل اور نامراد ہوں۔ اے کاش کہ اب کی یہ معاف کر دیں۔ اور نجات مل جائے۔ تو مین چھٹکارا پاؤں کہیں جا کر غارت ہو جاؤں۔ کالا منہ کروں۔ کہیں چلا جاؤں۔ مگر یہاں سے غائب ہو جاؤں کسی کو منہ نہ دکھاؤں۔ اور کسی کو خبر نہ کروں۔ کہ مین کہاں ہوں۔ بالآخر اپنی ساری طاقت جمع کر کے میں نے عرض کیا۔ "مس اسلتھ۔ اگر آپ کو صدمہ پہنچا ہے تو مین..... مین..... میں واقعی افسوس کرتا ہوں" وہ پھر ایک اچٹتی نظر سے مجکو دیکھتی ہے مگر تیز نگاہوں سے نہیں۔ میرا دل جلانے اور میری کوفت سے کیف اندوز ہونے کے لیے ایک قہقہہ مارتی ہے۔ (دل جلانے کی کیفیت دلچسپی سے خالی نہیں)

"کیوں پاگل ہوئے ہو۔ یہ کیا سوجھی۔ بہت خوب۔ مگر ایک ہی پیار لینا۔ اور دیکھو کسی سے مت کہنا۔" اب جو پیار کی اجازت ہو گئی۔ تو اس تصور کا برا ہو۔ پہلے سے ہی

ہوس دامن گیر ہوگئی۔ یعنی ایک پیار سے پہلے ہی دوسرے پیار کی درخواست کردی وہ انکار کرتے ہیں۔ اور میں رو رو کر اصرار کرتا ہوں۔ دفعتاً معلوم ہوتا ہے۔ کہ رخصت کا وقت ہوگیا ہے۔ وہ دروازے تک ساتھ دیتی ہے۔ میں خدا حافظ کہنے کو جھکتا ہوں۔ ایک بار پھر پیار کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر ہائے رے گھبراہٹ اب بھی کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ غنچۂ دہن کو پیار کرنے کی بجائے گھبراہٹ میں زلفوں کو چھو کر چل دیتا ہوں۔

"راستہ میں تصورات ایک دلگداز صحبت کا خاکہ تیار کرنے لگے۔ اور میں ایک چمنستان کی دلفریب صحبتوں میں اپنی گستاخیوں اور ان کی دلنوازیوں میں محو ہو گیا"

فن بوسہ بازی سے لاعلمی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ ناتجربہ کاری کے بوسوں کا یہی انجام ہے بقول شخصے ع "چلے محروم تیرے آستاں سے" ایک تجربہ کار گلچین شباب کے لیے اب تک کیا یہ سب دیکھے تھی۔ کبھی کا عارض گلفام کی خوشہ چینی کر چکا ہوتا۔ یہاں گھنٹوں تو بحر تصور میں غوطہ زن رہے۔ اور پھر گل کھلا۔ تو نیم شگفتہ! وہاں تو قدردان حسن نگاہ ملاتے ہی جام شباب اڑا لیتا ہے۔

ارے صاحب۔ حسینان جہاں تو ہوتے ہی ہیں۔ مگر حضرت عاشق بھی کم نہیں۔ یہ بھی بڑے زہر کے بجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس کو انتخاب کیا۔ بلا کی طرح چمٹ گئے۔ پروانے کی سی عادت ہے۔ یا تو خود فنا ہوئے۔ یا معشوق کو رام کیا۔ مگر جو لوگ ناتجربے کار ہوتے ہیں۔ وہ بالکل تذکرۂ بالا کی طرح دھکے کھاتے ہیں۔ یعنی "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے"۔ اور معشوق بھی اچھی طرح ناک رگڑواتا ہے۔ اور جس طرح چاہے نچاتا ہے۔

تلخیٔ فراق اور لذّتِ وصل

میرے اور کملا کے والدین نے ہمارے بچپن کے زمانے مین ہی ہماری شادی باہم کر دینے کا فیصلہ کر دیا تھا لیکن ہمین اس کا علم نہ تھا۔ ہم دونوں بچپن میں ساتھ ہی کھیلتے رہے۔ میں اس زمانے مین بھی اس کا جاں نثار سپاہی ہو کر اس کے احکام و ہدایات بجا لانے اور اس کی خدمت کرنے کو اپنے لیے سرمایۂ حیات سمجھتا تھا۔ اور وہ بھی میرے واسطے شریک غم ملکہ اور مسیحائے دل بنی ہوئی تھی۔ اور میری ادنیٰ ادنیٰ سی ضروریات اور تکالیف کا خیال کر کے ہمیشہ لطف و محبت سے پیش آتی تھی۔ میری خدمتوں کے معاوضہ مین وہ کبھی کبھی ایک دو پیار کے انعام سے تامل نہ کرتی تھی۔ غرضیکہ نہایت معصومانہ زندگی پیار و محبت کی گذرتی تھی۔ اپنی شیریں زبانی سے وہ چند بار میری محبت کا اقرار بھی کر چکی تھی مگر یہ بچپن کا زمانہ تھا۔ بچپن کی محبت تھی۔ جن مین کوئی جذبہ نہ تھا جن مین کوئی احساس نہ تھا۔

بہرحال ایک زمانہ یہ بھی تھا۔ جو گذر گیا۔ اور اس کے ساتھ اس وقت کی باتیں بھی ختم ہو گئیں۔ کملا اب سن بلوغ کو پہنچ رہی تھی۔ اس کے قد و قامت مین ترقی روز پذیر تھی اس کی دلربائیوں مین جاذبیت اور رعنائیوں مین دل آویزیاں رونما ہونے لگیں تھیں لیکن ساتھ ہی اس کے مزاج مین انقلاب نظر آتا تھا۔ ممکن ہے یہ بھی سن و سال کا تقاضہ ہو۔ اور دوسری دل فریبوں کیطرح اس مین بھی کچھ خوبیاں ہوں۔ لیکن میرے لیے تو یہ تبدیلیٔ مزاج بلائے جان اور آتش جگر سوز بن گئی۔ اب وہ مجھ سے کھنچنے لگی تھی۔ اس کے شمیم فشاں بوستاں سے مجھ پر جسقدر بے خودی ہونے لگی تھی اسی قدر وہ بھی سنگدل بن کر میرے اضطراب دل کی تماشائی بننے لگی تھیں۔ جام و پیمانے کا مین جسقدر خواستگار ہوتا تھا۔ اور بوسۂ غنچۂ دہن کی لذتوں سے کیف اندوز ہونے کا جتنا زیادہ اہل ہو گیا تھا۔ اسی قدر وہ بھی مجھکو تیر ستم کا نشانہ بنا کر میری اضطرابیوں سے لطف لینے لگی تھی۔

وہ کامل شباب کو پہونچ گئی۔ میں اس کے قیامت خیز حسن کے تصور میں محو رہنے لگا۔ اس کا سرو قد قامت میرے تخیلات کی شمع بن گیا۔ میں نے کتنی مرتبہ چاہا۔ کہ ایک دفعہ اس ستمگر کو آغوش میں لیکر دل و جگر کو کچھ تسکین دوں۔ لیکن مراد بر نہ آئی اس کی بے نیازیاں مرعوب کرتیں۔ تقاضائے سن احساس کی مجبوریاں سدِ راہ ہوتیں اور میں ہر بار گردیدہ خاطر ہوکر بحرِ یاس میں غرق ہو جاتا تھا۔ میں سوچتا تھا۔ کہ آلہی یہ کیا بدگمانیاں چھیڑتی ہیں اور میں گھبرا کر ارادہ کرتا تھا۔ کہ کسی دوسری دنیا میں چلیئے۔ اور کسی اور صنم قدر شناس سے دل لگائیے۔ یا کوئی دوسرا مشغلہ تلاش کیجیے۔ تاکہ کسی طرح یہ غم غلط ہو۔ اس کی تصویر خیال محو ہو۔ لیکن افسوس کہ جوشِ گریہ میں سکون پیدا کرنے کی جتنی کوشش کرتا۔ سوز و گداز کے اسباب سے جسقدر زیادہ مقابلہ کرنے کا ارادہ کرتا۔ اس کی آرزوئے دیدار اور میرا جوشِ محبت میری طاقت تحمل سے زیادہ زور سے حملہ آور ہوتے۔ اور مجکو خستہ اور نیم بسمل کر جاتے۔

میری قابل رحم حالت تھی۔ میں نے لوگوں کی مصیبتیں ٹلتے اور مشکلات کو آسان ہوتے دیکھا تھا۔ اور چاہتا تھا۔ میری مشکل بھی آسان ہو۔ اور اس بلائے جان محبت سے چھٹکارا ملے۔ مگر اس کی کوئی صورت نہ تھی۔ بلکہ کوئی امید نہ رہی۔ کیونکہ ایک حیرت ناک مشکل یہ بھی تھی۔ کہ اپنی پامالی اور شکست میں مجھکو جن حریف طاقتوں سے، جن دشمن جان مشکلات سے مقابلہ پڑتا۔ مجھ کو اُن سے بھی محبت ہو گئی تھی۔ وہ بھی مجھے عزیز تھیں۔ مجھے ان سے بھی جدائی گوارا نہ تھی۔ اس لیئے مجھے ان کی بھی کوئی شکایت نہ رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس کا مست شباب سرو قد، اس کی تلاطم خیز نگاہیں اس کی کج ادائیاں میرے لیے سامان صد قیامت ہوگئیں تھیں۔ جب اس کے گلستان شباب پر خیال جاتا۔ تو صبا کی عطر بیزیاں مشام قلب کو مست کر دیتیں اور جان میں ایک تازہ روح دوڑ جاتی۔ لیکن جب اس کی محفل میں اس کی تیز نگاہوں سے سامنا ہوتا۔ تو دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ میں غرق یاس ہو جاتا۔ اور ہزاروں بدگمانیاں احاطہ کرتیں۔ غرضیکہ دو دشمنوں کی کشمکش میں جان پڑی تھی۔ ایک طرف ساقی تھا۔

ساغر تھا۔ مے ناب تھی۔ رنگ و بو تھے۔ کیف ہائے دلنواز کی لطیف یادگاریں تھیں۔ دوسری طرف زہر ہلاہل کے لبریز جام اور خنجر آبدار تھے۔ اگر سرور شراب سے عرش پر پہنچتا۔ تو برق نگاہ سے تڑپ کر غرق مذلت ہو جاتا۔ ان تمام ستم ظریفیوں کے باوجود کملا۔۔۔۔ باوفا کملا۔۔۔۔ اپنے پہلے اقرار پر قائم تھی یعنی رشتۂ محبت مین میرا انتخاب ہی قائم تھا۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ ایک یہی چیز تھی۔ جو میرے لیے پیام جاوید تھی۔ اور جس کی وجہ سے مین مر مر کر بھی جیتا تھا۔ لیکن یہ ایک ایسی دنیا تھی۔ جس کا خاکہ کملا کے ذہن مین ہی صورت پذیر تھا۔ کیونکہ میری نظر مین تو لگاتار بدگمانیون اور مایوسیون سے اس اقرار کا وجود سراب امید سے زیادہ نہ رہا۔ اسکی بے مہریون، بے اعتنائی۔ اور کج ادائیون کو دیکھکر مین اپنی ناکامی کا پختہ یقین کر چکا تھا۔ جام و پیمانہ کے ایک گھونٹ کے واسطے ترس ترس کر مین نے اپنی محرومئ وصل کو شکل پذیر ہوتے دیکھا تھا۔ امکان انسانی مین جتنی شکلیں ہو سکتی تھیں۔ سب کو اختیار کر چکا تھا۔ کہ کامیابی کے تمام ذرائع اور وسائل بیکار ہو چکے تھے۔ پھر بھی کوئی بات تھی۔ کہ امید کا دامن نہ چھوٹتا تھا۔ اور رشتۂ تمنا ختم نہ ہوتا تھا۔

مین تصورات کے سمندر مین غرق رہتا تھا۔ اگر اس کی بے مہریون سے شکایت تھی تو اس کی دلنواز اداؤں کا بھی شکر گذار تھا۔ اسکے قد رعنا کی سحر کاریاں اس کی خوش اداؤں کی برق پاشیاں اور متبسم حسن کی رنگینیاں میرے لیے بے پناہ طاقتیں تھیں۔ جن کی ادنیٰ سی جنبش پر خفیف سے اشارے پر مین دنیا کے مہلک خطرات مین کود پڑنے مگر دست اجل سے دست و گریباں ہونے کے لیے آمادہ تھا۔ اسی کیساتھ اس مین بھی شک نہ تھا۔ کہ اس کی محبت کا مین ہی مستحق اور عصمت و عفت کا مین ہی مالک تھا۔ لیکن اس کی بے وجہ کشیدگی نے ہمارے درمیان ایک وسیع خلیج ناقابل عبور فصیل اور ناقابل حل عقدے قائم کر دیئے۔ جن کے مٹانے کے لیے اس کی شیریں ادا کی ایک تبسم ریز شعاع کافی ہوتی۔ اور مین اس کی نوازشات کا مستحق اور صحیح طلب گار رہتا۔ مگر ان سے محروم رہ کر ان کے مطالبہ کی جرارت بھی نہ کر سکتا تھا۔ غلبۂ یاس مین

تاریخِ بوسہ

تاریخ عالم کی تلاطم خیزیوں مین جسقدر دخل لبوں کی اُس حرکت کو ہے۔ جسکو ہم لفظاً ایک جداگانہ نام یعنی بوسہ سے موسوم کرتے ہین۔ وہ بجائے خود ایک اہم سلسلۂ واقعات و حوادث ہے۔ اور اس کا مستحق ہے کہ تاریخ کے اوراق مین اس کو بھی ممتاز و نمایاں جگہ دی جائے بوسہ کی چاشنی کی کیفیتوں کو اگر سمندر کی موجوں سے تشبیہ دی جائے۔ تو شاید حق ادا ہو سکتا ہے۔ کسی دوسری کیفیت سے مقابلہ و موازنہ کرنا محض منہ چڑانا ہے۔ جس شخص نے سمندر کی موجوں کے پُرکیف مدوجزر کا کبھی بچشم غائر مشاہدہ نہیں کیا۔ وہ کسی محبت بھرے دل اور پُر آرزو پہلو کی اضطراب انگیزیوں اور تلاطم خیزیوں کا بھی اندازہ نہیں کرسکتا۔

جب سمندر کی دو متصادم موجیں اپنی انتہائی گہرائیوں تک ٹکراتی ہین۔ تو سطح سمندر سے تہ آب تک ان کی پیشقدمی مسدود ہو جاتی ہے۔ اور صرف مسدود ہی نہیں ہو جاتی۔ بلکہ فرصت قیام بھی مفقود ہو جاتی ہے اُسوقت یارائے ضبط یا ردعمل کی اجازت بھی نہیں ملتی۔ لہذا اسوائے اس کے کہ یہ جوش و طاقت بالائے سطح بلند ہو کر اپنی سحر کاریاں کھلی فضا مین دکھلائے کوئی اور صورت باقی نہیں رہتی۔ بہرحال موجیں ٹکراتی ہین۔ اور ایک دوسرے کے شانوں پر سے گذر جانے کیلئے بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہین۔ حتیٰ کہ اپنی انتہائی بلندیوں کو پہنچکر یہ زور و جوش چھوٹی چھوٹی دھاروں۔ موٹی موٹی بوندوں اور بڑے بڑے چھینٹوں مین پاش پاش اور منتشر ہوتیں۔ اور معتدل ہو کر سطح آب کی طرف لوٹتی ہین۔ اسوقت اگر کسی تماشائی کو کشتی کے ذریعہ اس جگہ کے اتنے قریب سے گذر جانے کا اتفاق ہو۔ کہ شکستہ موجوں کی یہ نمکین بوندیں جسم کے کسی برہنہ عضو پر پڑ جائیں۔ تو پانی خشک ہو جائے گا۔ مگر ضرب کا کوئی نشان اور چھینٹے کا کوئی داغ باقی نہ رہے گا۔ مگر یہ ضرور ہوگا۔ کہ زندگی کی فرصتوں مین گذشتہ مشاہدات پر نظر واپس کرتے ہوئے۔ جب کبھی اس کا ذہن کسی دریا کی سیر کی طرف جائیگا۔ تو پہلی چیز جس کی طرف ذہن عود کرے گا۔ وہ انہی ناقابل فراموش نمکین بوندوں اور کھاری چھینٹوں کی چھریری ضرب ہوگی

مین غرق رہ کر دن کٹتے تو تپش ہجر میں تڑپ کر راتیں کٹتی تھیں۔ شب ہائے متواتر کی بیداریوں سے تھک کر جو کبھی آنکھہ لگ جاتی۔ تو خواب مین بھی اسی کی خاموشیوں سے الجھتا اور تڑپتا رہتا تھا۔ کبھی اسکو اپنی طرف بڑھتے دیکھتا تو شوق جلوہ اور تمنائے آغوش سے بیخود ہو جاتا۔ لیکن جو رخ پھیر کر اس کو واپس ہوتے دیکھتا۔ تو بسمل ہوکر پامال ہزار آرزو بن جاتا۔ غذا میرے لیے زہر ہوگئی تہی۔ پانی تیزاب کا کام کرتا تہا۔ زندگی کے سہارے کے واسطے بس غم ہجر کھاتا۔ اور خون جگر پیتا تہا۔

کبھی کبھی کسی چمن زار مین پہونچ جاتا۔ تو ایک سمت شاخ گل کے قدموں مین پڑ رہتا اور اس کی ستم ظریفیاں دیکھکر حسین کملار کے تصورات مین محو ہو جاتا۔ ایکروز شام کو حسب معمول بغیر کھانا کھائے۔ باغ مین جاکر ایک گوشۂ تنہائی مین غرق نشاط ہجراں تھا۔ کہ ناگہاں نسیم چمن کی اٹھکیلیوں نے کسی کافر ادا کی شمیم زائیوں کی خبر دی۔ مین نے عالم یاس مین نیم باز نگاہوں سے تامل کیساتہہ لوٹ کر دیکھا۔ تو کملار کو فاصلے پر جلوہ افروز پایا۔ میرے سکون قلب پر بجلی گرانے کے لیے یہ سامان قیامت تھا۔ لیکن غلبۂ یاس کے بادل اتنے کثیف تھے۔ کہ میرے سکوت مین چنداں فرق نہ آیا۔ دونوں طرف خاموشی تہی۔ وہ مست ناز تہی۔ مین محو استغراق تہا۔ آنکھیں آسمان کی محفل مین ستاروں کی جلوہ باریاں دیکھنے اور کان فضا کی نسیم زائیاں سننے مین مصروف تھے۔ شاید وہ بھی اسی لطیف مشغلے سے کیف اندوز ہو رہی تہی۔ گلوں کی بھینی بھینی خوشبو شمیم فشاں ہو رہی تھی۔ ماہ تاب ضیا پاشیاں کر رہا تھا۔ طائران چمن اپنے رفیق اور محبوبوں سے دن کی سرگذشت اور ہجر و فراق کے شکوہ و شکایتوں میں مصروف سرگوشیاں تھے۔ میرے جذبات مین بھی تلاطم برپا تھا۔ لیکن حسن کی سحر کاری کارفرما تھی۔ دیر تک خاموش رہی۔ مگر کب تک اضطراب دل رنگ لایا۔ دل مجبور سے عاجز ہوگیا۔ عاجز نگاہین ستو ستو التجاؤں سے اس بت کافر کی طرف لوٹنے لگیں۔ وہ میرے قریب ایک شان ناز سے بیٹھ گئی۔ اس کا ایک ہاتھ میرے قریب ہی تہا۔ مین نے جرارت کر کے اپنے دونوں ہاتھوں مین اسکو لے لیا اور آہستہ آہستہ ہونٹوں تک لاکر چومنے لگا۔ میری آہوں کا اثر کہیئے۔ یا لطف و کرم

یار۔ کہ اس نے حسب معمول میری گردن سے ہاتھ نہ کھینچا۔ بلکہ اپنی خاموش اداؤں سے اجازت دیدی۔ میں نے ہاتھ اور بڑھایا۔ اور بلوریں بازوؤں کو تھام لیا۔ اس کے گداز جسم اور ریشمیں بازوؤں کے چھوتے ہی میرے بدن میں بجلی سے تڑپ گئی۔ اور جسم کیساتھ جان بھی کھنچنے لگی۔ میں نے بازوؤں کو تھامے ہوئے بہت عاجزی سے درد دل کا اظہار کیا اور کہا۔ کملا۔ تمہاری مفارقت میں مر رہا ہوں۔ سنکر میری طرف رخ کر لیا۔ اور فرمایا

"۔ جی ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ مرد کیسے مرا کرتے ہیں۔"

اسوقت اس کے لب مجھ سے اتنے قریب تھے۔ کہ اس کی خوشبوئے دہن سے معطر سانس میرے رخسار کو پامال رقص کرنے لگا تھا۔ میں نے کسی قدر جرات کر کے عرض کیا۔

"۔ جی ہاں۔ مرد ہی عاشق ہوتے ہیں وارفتگئ محبت مردوں کو ہی آوارۂ و مجنوں بناتی ہے اور میں بھی خانماں برباد ہو چکا ہوں۔ اگر ایک تیر نگاہ نصیب ہو جائے۔ تو اس کشمکش جان اور اضطراب قلب سے جان چھوٹ جائے۔"

جواب دیا۔

"میں نے بھی پڑھا ہے۔ مرد ہمیشہ یہی کہا کرتے ہیں۔ ان کی محبت پُرفریب غلاف سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جب یہ غلاف اُتر جاتا ہے۔ تو پھر اُن کی محبت اور ہوا و ہوس کے مکروہ چہروں میں فرق نہیں رہتا۔ دسترخوان پر جب شکم پُر ہو جاتا ہے۔ تو پھر کھانے میں لذت نہیں رہتی۔ مردوں کو محبت کی کیا خبر۔"

میں ابتک لیٹا ہوا تھا۔ کملا کی یہ چٹکی سنکر چونک پڑا۔ اور بیٹھتے بیٹھتے حیرت سے پوچھا

"۔ کیا میں اور محبت سے آگاہ نہیں ہوں!"

اُسنے نازک ہاتھ سے مجھے دھکیل کر پھر لٹا دیا۔ اور سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ آہ۔ آہ۔ میرے سینۂ سوزاں میں ایک آگ لگ گئی۔ میں نے کہا۔

"۔ کیا میں احساسات شباب سے اب بھی محروم ہوں۔ سوز فراق میں دل کے ٹکڑے ہو چکے۔ آتش ہجر سے جگر کباب ہو گیا۔ پامال آرزو رہ کر ہم آغوش یاس رہا ہوں۔ خون جگر پیا۔ اور یہ سمجھا۔ کہ آہ دل کبھی تو بار آور ہو گی۔ اسوقت سینہ پر ہاتھ

ہے۔ خود ہی اندازہ کر لو۔"

فرمایا۔!

"۔ اس کو محبت نہیں کہتے۔ ہوس ہے۔ شوق وصل ہے۔ تشنگی شوق ہے! جب طبیعت سیر ہو جائیگی۔ یہ سارا سوز و اضطراب جاتا رہے گا۔ مردوں کی ایسی ہی محبت ہوا کرتی ہے۔"

میں نے کہا:۔۔۔۔

"۔ پھر آپ ہی بتایئے۔ کہ ادعائے محبت کے لیے مجھ سے کیا ثبوت چاہتی ہیں۔ آپ کے نزدیک عشق صادق کا کیا معیار ہے۔ میں اپنی سچائی کی شہادت میں کس کو لاؤں کہاں سے لاؤں۔ کیا ذریعہ اختیار کروں۔ کیسی صورت بناؤں۔ آہ۔ میرا تو یہ حال ہے۔ کہ خیال کے ہر گوشہ میں تم ہو۔ آرزو کے ہر ذرہ میں تمہارا شوق دید ہے۔ میری دست نظر تم سے ہی منور ہے۔ اور بلندئ نظر تمہارے سرو قامت سے ہی محدود ہے۔ ہر سمت اور ہر ذرہ میں میرے پیش نظر تمہاری ہی تصویر ہے۔"

میری مترنم نگاہوں کی طرف دیکھکر کہنے لگی۔!

میرے عزیز میں خوب سمجھتی ہوں۔ خیر یونہی سہی۔ یہ مانا کہ تمہارے پاس اظہار محبت کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تم میری طرح جنس لطیف سے ہوتے تو یقین جانئے تمہاری حالت کچھ اور ہوتی۔"

میں نے پھر حیرت سے پوچھا۔

"عورت! کیا میں عورت بن کر تم سے محبت زیادہ کر سکتا ہوں۔"

اُس نے کچھ دیر کے بعد کہنا شروع کیا۔ مگر رُخ ہٹا کر اس طرح گویا مجمع کو مخاطب کر رہی ہو۔

"عورت کی محبت میں استقلال ہوتا ہے۔ وہ اسقدر جلد سیر نہیں ہو جاتی۔ بلکہ محبت اسکی زندگی کا جزو ثانی بن جاتی ہے۔ اس کی زندگی قائم رہتی اور اس کی زندگی کے ساتھ جاتی۔ اور مرنے پر بھی اس کی روح اس کے ساتھ وابستہ رہتی ہے۔ عورت کا محبوب اس کی دلبستگیوں سے آگاہ ہو کر اُس پر ستم آرائی کرتا ہے۔ ظلم کرتا ہے۔ لیکن وہ اُسی کو

پیار کرتا ہے۔ جو بازو اس کی قبر میں اسکو اتارتے ہیں۔ اس کے نازک لاشۂ جسم میں آگ لگاتے ہیں وہ انہی کو چومتی اور دعائیں دیتی ہے۔ اگر عورتوں کی طرح مردوں میں بھی احساس محبت ہو جائے۔ تو یہ آتش کدۂ عالم فردوس بریں بن جائے۔"

آہ۔ کملار۔ کملار!! اے کاش میں تمہاری آرزوؤں کی تصویر ہو جاتا۔ جو تم چاہتی ہو وہی ہوتا۔ اور اب تمہیں اختیار ہے کہ جس طرح چاہے سمجھو۔ مگر مجھے محروم محبت نہ کرو۔ میں داد محبت چاہتا ہوں۔ ایک دفعہ محبت بھری نظروں سے دیکھ لو۔"

میں اس کے اشارے سے لیٹا ہوا تھا۔ مگر ترقی پذیر اضطراب اور بیچینی سے پہلو پر پہلو بدلتا تھا۔ کسی قدر تسکین دل کے لیے اس کا ہاتھ کھینچکر اپنے لبوں پر رکھ لیا کرتا تھا پھر کملار نے جھک کر اتنا کہ ساغر ناب میرے لبوں کو چھونے لگا۔ مجھے شراب محبت سے بھری نظروں سے دیکھکر کہا۔

"میرے پیارے مجھے تمہاری حالت پر رحم آتا ہے۔ اگر تم اپنی مردانگی اور بہادری کے دعوے چھوڑ دو۔ اور روح کو مہلت دو۔ کہ وہ ایک نئے عالم کی سیر میرے ساتھ جاکر کر سکے۔ ایسے عالم کی سیر جو نور حقیقی سے روشن ہے۔ جسکی وسیع دنیا میں مردوں کے تخیلات فنا ہو جاتے ہیں۔ جسکی سطح کی بلندیوں سے مردوں کی پرواز فکر ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے۔ جہاں اُن کے تصورات کو صرف چند روزہ قیام نصیب ہوتا ہے آہ۔ اُس عالم میں تم بھی پہونچ سکتے تھے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تم اتنی جرات نہ کر سکو گے۔ کیونکہ اس کی پہلی شرط، ترک خودی، رضائے محبوب، کامل حوالگی، اور آمادگی رسوائی ہے۔

"پیاری کملار میں کامل طور سے تمہارے اختیار میں ہوں۔ مجھے تمہاری شرطیں منظور ہیں۔ جہاں چاہے لیچلو۔ مگر اس غم فراق سے نجات دلاؤ۔"

(میں نے کہا۔)

اُس پر کملار نے میرے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اور اپنے مخملی رخسار میرے گال سے ملا کر یہ مژدۂ جانفزا سنایا۔

"دیکھو اب ہی تم اپنی خود اختیاری سے دست کش ہو چکے ہو۔ اب میرے اختیار

مین ہو۔ جو مین چاہوں گی ہوگا۔ اگر تمہیں یہ حالت منظور ہے۔ تو مین یہ امید دلا سکتی ہوں۔ کہ تم عورت کی محبت سمجھ سکو گے۔ اور اس سے لذت گیر ہو سکو گے۔ ہاں اس محبت مین اتنی کشش ہے۔ جو موت کی روح فرسا تکالیف کو بھی بے اثر کر سکتی ہے۔ بس اگر کچھ تامل ہے۔ یا رسوائی سے ہم آغوش ہونے مین پس وپیش ہے۔ تو پھر آپ مختار ہین۔ اور مجھ سے بے سروکار ہین"۔

"نہیں کملا۔ نہیں۔ مین تمہارا ہوں۔ تمہارے اختیار مین ہوں۔ تم مالک ہو۔ جس طرح چاہے رکھو" مین اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔ اور میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ اور مین انتظار مین بے چین ہونے لگا۔ آج کملا نے پہلی مرتبہ شراب محبت سے بھرپور ساغر میرے لبوں سے لگایا۔ اور مجھے اپنے سینے کی طرف دبانا شروع کیا۔ سینے سے سینے مل گئے۔ مین اُس کے بحر اضطراب کی موجون مین غرق ہوگیا۔ سرور ساغر اور ہم آغوشیوں کی عطر فشانیوں نے بے خود کر دیا۔ بلکہ ایک اور دنیا کی گلگشتوں مین پہنچا دیا۔ مین اس کے دل کے اضطراب اور سوز سے جلا جاتا تھا۔ میری رگوں مین خون کا سیلاب اُمنڈنے لگا قوائے زندگی مین روح حیات بخش سرایت کر گئی۔ اسوقت مین جن کیفیتوں مین ہم آغوش تھا۔ ذہن کو کبھی ان کا تصور ہی نہ ہوا تھا۔ لب ساکت منجمد ہو گئے تھے لیکن اندرون جسم ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ اور جسم کے ہر حصے سے پسینہ رواں تھا۔ مین اُس نئی دُنیا کے آفتاب کے سنہرے نور مین محسوس کر رہا تھا۔ کہ بادلوں کی لطیف چادر پر اُڑ رہا ہوں۔ فردوس بریں کی فضا مین فرشتوں کے شیریں نغموں و ساز کے پُرکیف ترنم سے محظوظ ہو رہا تھا۔ نشاط و سرور کے گہوارے مین نہیں معلوم کتنی دیر تک پڑا رہا۔ اور نہیں معلوم کہ اس پرواز ہوش فرسا مین کتنی اور کیسی منزلیں طے کر گیا۔ میری بیخودی ابھی قائم رہتی، مگر کملا کے نمکین لبوں کے ایک لطیف سی گدگدی نے ہوشیار اور اس کے معطر جسم کی ایک شمیم تازہ نے بیدار کر دیا۔

"کملا"

مین نے ساغر یار سے پیوستہ لبوں سے آہستہ کہا۔ محبت، محبت، اور فرط جوش

میں مستغرق بوس و کنار ہو گیا۔ پیار کرتا رہا۔ اور جیتک جسقدر پیار کر سکتا تھا۔ پیار کرتا رہا جب کچھ سکون ہوا۔ تو اُس نے دریافت کیا۔ "اب خبر ہوئی کشن! کہ محبت کیا ہے؟"

"آہ میری جان کملا، تمہاری محبت کی ضو فشانیوں کو میں اب سمجھ رہا ہوں اور نثار ہو رہا ہوں"

میرے لبوں سے لب ملا کر اور ایک پیار سے مخمور کر کے۔

"میں بھی تم پر قربان ہوں۔ اب ہم صرف محبت کیلئے جئیں گے"

بوسہ کے تاریک و روشن نکات

ایک پُراز معلومات تقریر

بوسہ کے ارتقار پر امریکہ کے ایک طبیہ کالج کے پروفیسر کی ایک تقریر ذیل مین درج کیجاتی ہے۔ اس تقریر مین بوسہ کے متعلق جدید ترین معلومات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو امید ہے کہ قارئین کی دلچسپی اور معلومات مین اضافہ کا باعث ہوگی۔ (مصنف)

نوجوان خواتین وحضرات! عام طور سے تمدن میں بوسے کو اس چٹخارے یا کیفیت سے ہم پلہ اور ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ جو پُرجوش لبوں کی وابستگی کے بعد علیحدگی کی آواز مین پیدا ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ علمی تحقیقات نے اس فن کے متعلق ابھی اتنی ترقی نہیں کی ہے۔ کہ اس سلسلہ مین کوئی کلیہ قاعدہ قائم کیا جا سکے۔ لیکن مین نے متفرق مسائل تمدن پر اپنی تقریروں مین جو کچھ بیان کیا ہے وہ آپ کو یاد ہونا چاہیئے۔" بوسے کے عمل مین ایک حرکت نہایت ضروری ہے۔ جس کو بوسہ کی جان کہنا چاہیئے۔ اور اسی پر بوسہ کی کیفیت موقوف ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ جب یا جہاں بوسہ لیں تو مقام بوسہ پر اپنے عمل مین لبوں کے ذریعہ اتنا کافی زور ڈالیں۔ کہ اسکو آپ کا زیادہ سے زیادہ وزن کہا جا سکے۔ اور یہ وزن نشان چھوڑنے مین کامیاب ہو سکے۔"

بوسے کے ساتھ یہ لازمی نہیں ہے۔ کہ اس مین چٹخارے کی یا کوئی اور مظہر لطافت آواز بھی پیدا ہو جائے۔ پہلے زمانے کے بوسون مین آواز نہ ہوتی تھی۔ اور مہذب مجلسوں مین اب بھی ایسے ہی خاموش کیفیتوں کو مقبولیت حاصل ہے۔

محققین کا بیان ہے۔ کہ قدیم ماضی مین جب تاریخیں اور واقعات بیانی نہ تھی بوسہ کی صرف یہ غرض تھی کہ ماں اپنے منہ مین کھانا رکھ کر بچوں کے منہ مین رکھتی تھی جس طرح ہوا کے پرندے اپنے بچوں کے ساتھ پیش آتے ہین۔ اس عمل سے ماں کو بچے کی محبت کی کشش کا تجربہ ہوا۔ جو ایک سچے بوسہ کا خاصہ تھا۔ اس وقت

انسانی تمدن نے اپنی ترقی نہیں کی تھی۔ کہ گفتگو کے ذریعہ تبادلۂ خیال اور اظہار مشاہدہ کیا جاسکتا اور بھٹ اور غاروں کی رہنے والی عورتیں اپنے شوہروں سے جذبات محبت کی صحیح ترجمانی کرسکتی ہیں۔ پس معصوم اولاد کی خدمت کی طفیل میں جذبات کی کشش کا یہ نتیجہ پیدا ہوا۔ شوہروں کو اس کے بتلانے اور تعلیم دینے کی ایک یہی شکل تھی۔ کہ عورتیں ان کے لبوں پر مہر محبت ثبت کریں تجربے کے اعادے نے فریقین پر اسرار و کوالف منکشف کر دیئے۔ عورت جس عمل کو محبت و کشش کا مظہر سمجھ کر اُن کے علم میں لائی۔ وہ خود اس کی ہی وابستگی کی زنجیر اور محبت کا بندبن گیا۔ اور جب خوش نصیب میاں بیوی کو یہ نعمت اس طرح دستیاب ہوئی۔ تو اُن کے لیئے یہ قدرتی امر تھا۔ کہ اُس کی چاشنی سے احباب اور ہمسایوں کو بھی لذت گیر کرتے۔ جس سے انہوں نے دریغ نہ کیا۔

طلاق کی ابتدا۔

اس عمل کے درس اور اشاعت کے دوران میں متفرق طریقوں سے اس کی لطافتوں میں مدارج قائم ہونے لگے۔ جس کی وجہ سے بعض گھروں کی شیرازہ بندی میں تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں۔ جنہوں نے ترقی کرکے آجکل کی مہذب سوسائٹی میں طلاق کی شکل اختیار کرلی۔

چٹاخہ!

دو انسانوں کے لبوں کے ملنے سے اعضائے رئیسہ میں جو لطیف کشش پیدا ہوتی ہے اس کے مجموعہ کا نام چٹاخہ ہوسکتا ہے۔

بوسہ!

لیکن دو غیر جنس انسانوں کے لبوں کی وابستگی سے یا باہم دبنے سے جو کشش دونوں کے جذبات میں پیدا ہوجائے اور اس سے دونوں روحوں کے لطیف جذبات میں ایک رنگی پیدا کردے۔ اور دو قالبوں کو متصل کرکے بہ اعتبار کیفیات ایک ذات کردے۔ اُس وابستگی کو بوسہ کہتے ہیں۔ مرد یا عورت جب فریقین ہم جنس ہوں گے۔ تو کشش جذبات میں کوئی لطافت نہ ہوگی۔ البتہ معمول معصوم اور کمسن ہو تو

ایک کمزور سا جذبہ ضرور پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا لبوں کی وابستگی کی حالت میں فریقین کے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے جسموں کے زیادہ سے زیادہ حصہ کو پیوست کر دیں۔

قدیم لوگوں کے منہ بڑے بڑے ہوتے تھے۔ اس لیے اُن کے بوسے بھی بڑے بڑے اور بھرپور ہوتے تھے۔ اُن کے بوسوں کے طریقوں کی نسبت قیاس یہ بتلاتا ہے۔ کہ ایک فریق اپنے داہنے کان سے دوسرے فریق کے بائیں کان کو چھُو کر آہستہ آہستہ حرکت کرکے رخسار سے رخسار۔ ناک سے ناک۔ لب سے لب اور پھر دوسرے رخسار کو رگڑتے ہوئے دوسرے کان کو کان سے چھُوتا ہے (چیئرز اور تالیاں)

لیکن ان لوگوں کی ناکیں بڑی اور اونچی ہوتی تھیں۔ جس کی وجہ سے بوسہ کے خاص موقعے پر خلل واقع ہوتا ہے۔ اور لمس کا خود رو سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا۔ لہذا دونوں فریق اس مداخلت کے ناگوار اثر میں تخفیف کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اُن کی کوشش کامیاب ہوئی۔ اور گراموفون کے آلۂ اخراج صوت (ہارن) کے ہم شکل منہ کی نسوں کو سمیٹ کر لبوں کی ایک نئی شکل پیدا کی گئی۔ جس کو تمباکو رکھنے کے ربڑ کے بٹوے سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ (ہیئر ہیئر۔ اور تالیاں)

دو فائدے!

اگر کسی نازنین کو اس کی آرزو ہو کہ اپنے منہ کی چوڑائی میں کمی کرے۔ تو اس کو بوسوں کی پیہم مشق کرنی چاہیئے۔ برسبیل تذکرہ میرا یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ کہ اگر انسان بوسہ لینا نہ سیکھتا۔ تو اس کو منہ سے سیٹی بجانا بھی نہ آتا۔ کمال مشق سے فن بوسہ کو اب وہ درجہ حاصل ہے۔ کہ ہم اب ناک کو ناک کے متوازی قائم کرکے لبوں کی تمام حدود پر جولانیٔ طبع سے کام لے سکتے ہیں۔ جب ہمارے کشش جذبات سے تار بدلتے ہیں۔ تو لبوں کی کشش میں ایک خلا پڑ جاتا ہے۔ اور ہوا کا جھونکا موقع پاتے ہی اس خلا میں داخل ہوتا ہے۔ یہ ہوا اتنی جلدی سے داخل ہوتی ہے۔ کہ لہروں کے ٹکرانے سے ایک بلند آواز پیدا ہوتی ہے اس آواز کو چٹاخہ کہتے ہیں :-

کسی لیس دار کیچڑ میں اگر گائے کا پیر پھنس جائے۔ اور وہ اس کو نکالے۔ تو اس وقت بھی اسی اصول سے اسی قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

یہ معمولی حرکت فی نفسہ گو ابھی بہت ناقص ہے۔ لیکن پرواز خیال اس دائرے مین بھی بہت بلند پروازی کرسکتا ہے۔ چٹاخے کی آواز کو محبوبہ کے سرور افزا لطافت اور نوازش کے شکریہ کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ (تالیاں اور ہیر ہیر)

پس اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ آواز کو بلند کرنے کی کوشش کی جائے۔ چٹاخے کی آواز نے سماعت مین بھی شعریت پیدا کردی ہے۔ چنانچہ اب اس کی آواز کو مجالس عیش و نشاط مین رسمی تکلفات کا درجہ حاصل ہے۔

بوسے کی نوعیت ساکت۔ جامت اور طول پسند ہے۔ اور اس کی طرف سے عرصہ تک لاپرواہی سے کام لیا گیا۔ مگر اس کی یہ کیفیت اب بھی باقی ہے اور بدستور سابق مقبول اور پسندیدہ بھی ہے۔ کیونکہ اس کے ظاہر و باطن برابر کے لطیف ہین۔ جن مین اخلاص اور یکرنگی بھی داخل ہے۔ لہذا بوسے کی صحیح تعریف اس طرح ہونی چاہیئے کہ یہ لبوں کا ایسا دباؤ ہے۔ جو خواہ طول ہو۔ یا مختصر باآواز ہو یا خاموش۔ سانس کے وزن کی کشش مین خمار آلود کیفیت اور سرور آمیز لذّت پیدا کردے۔ (ہیر ہیر۔ دیر تک تالیاں پٹتی رہین۔) یہ واضح ہو کہ لب غیر جنس بالغ افراد کے ہونے چاہیئں۔

احساس کی نوعیت!

اس قسم کے بوسے مین ایک اور یہ عجیب خصوصیت ہے۔ کہ دباؤ مین جسقدر وزن اور وقت لگتا ہے۔ اُس سے جنس نازک کو دو قسم کی کیفیات کا احساس ہوتا ہے اس کے خلاف مرد کو صرف ایک ہی قسم کی لذّت محسوس ہوتی ہے۔ بوسہ کی لذت کے حدود مین مرد کی مونچھوں کے بالوں کے حائل ہونے سے عورت کے ذہنی پرواز مین جو لذّات اور کیفیات پیدا ہوتی ہین۔ وہ بے ریش اور صاف لبوں سے میسّر نہین آتین بالوں کے لمس کی گدگدی سے جو خاص حظ پیدا ہوتا ہے اُس کو صرف عورت ہی محسوس کرتی ہے۔ صاف لبوں کی بوسہ گیر عورت کو یہ حظ نصیب نہین ہوسکتا۔

مین اگر غلطی نہ کرتا تو کہہ سکتا ہون۔ کہ ناظرین اگر ان کیفیتوں کا موازنہ جوشِ دل اور ولولۂ محبت سے اور کھاری چھینٹوں کا لبوں کے نمکین بوسوں سے کرین۔ تو وہ ان مین خلافِ معمول مطابقت پائین گے ؛

جدید تہذیب مین جسقدر خطرات بوسوں کی گرم بازاری سے لاحق ہوئے ہین۔ اور جن مین ابھی مزید اضافہ کے احتمالات بھی ہین وہ اس لائق ہین کہ ان پر کامل غور و فکر سے تنقیدی نظر ڈالی جائے۔ افسوس ہے کہ ان مین متعدد خطرات کی ایسی نوعیت ہے۔ کہ وہ خود اپنے مرکز کیطرف رجوع کر کے حسن و صحت پر کہ جن پر بوسہ کے تکرار کا انحصار ہے۔ حملہ آور ہین۔ اور ان کے درپے آزار اور مضر ثابت ہونے کی دھمکی دے رہے ہین۔

تہذیب و جمہوریت کے اس دور مین اخلاقیات و محاسن کی طرح خرابات اور خرابیون کو بھی بقا اور قرار کے مساوی حقوق اور ترقی و تجدید کے مواقع حاصل ہین۔ پس خرابیوں پر محض خراب کہہ دینے سے دائرہ حیات تنگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ختم خرابات کا یہ کام ماہرین سائنس و علم الابدان کے ذریعہ لیا جارہا ہے۔ جو حفظانِ صحت کے پردے مین بوسہ کی نمکین چاشنیوں کو لبوں کے بے ربط تصادم کی پیدا کردہ بداخلاقیاں قرار دے کر سوسائٹی کو اس صلائے عام سے محروم کردینا چاہتے ہین مگر

ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ وہ پودا ہے۔ جس کی آبیاری قوموں اور ملکوں نے کیا۔ مذہب۔ دستور و قانون کی سخت گیریوں، ڈراوں، دھمکیوں اور تشدد کے بے پناہ جھونکوں مین صدیوں تک کی ہے آج جمہور خوب جانتا ہے۔ کہ ایک ایک بوسہ کی چیک نے برسوں کے مہجور عشاق مین جن کے جسم سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ دم بھر مین جان اور تازگی ڈالدی۔ اس کی ایک چسکی نے عبدیون اور گمراہ ہستیوں کے لیے راستے واضح کر دیے۔ اور انہیں اپنے ہمعصروں اور ہم جلیسوں مین جانباز اور دلیر کے قابل رشک نام سے ملقب کرایا۔

لہذا صدیوں کی مسلسل مشاقی اور روایات کے بعد اب ان ڈاکٹروں کا چاہنے اور چومنے والوں کی حفظِ صحت کا سوال چھیڑنا کسی بے مغز مجذوب کی فضول گوئیوں سے زیادہ

انتقال جراثیم اور ترمیم کی ضرورت اب جراثیم کے انتقال کی نسبت یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ دو جنسوں کے لبوں کی وابستگی سے یہ اندیشہ بتلایا جاتا ہے۔ کہ اس مین ایک جسم سے دوسرے جسم مین جراثیم منتقل ہوتے ہین۔ ماہرین سائنس ان جراثیم سے تحفظ اور ان کے انتقال کے سدباب کی تجویزیں کر رہے ہین۔ ایک خیال یہ ہے۔ کہ موزوں اور دستانوں کی طرح لبوں پر بھی غلاف کسی قسم کا چڑھانا چاہیئے۔ اگر ایسا کیا گیا۔ تو ظاہر ہے۔ اس مین کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی۔ ایک معمولی سمجھ والا آدمی بھی بتا سکتا ہے۔ کہ لبکے غلاف ایک مہمل چیز ثابت ہوگی۔ مگر چونکہ جراثیم کے انتقال کے اندیشہ صحیح ہین۔ اور مجوزین کی نیت اصلاح اور نیکی کی ہے۔ اس لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم ان تجاویز پر محض نکتہ چینی اور تنقید کے لیے وقف ہوجائیں۔ ہمکو ضرورت ہے۔ کہ اس منزل سے پیشقدمی کرکے اصل مقصد کیطرف رجوع کریں۔ اور کوئی ایسی تدبیرین نکالیں جو بہ یک وقت احساس کیف مین کسی طرح مخل ہوئے بغیر خطرے اور مضرت کا انسداد کردے۔

مین کچھ دیر کے لیے آپ کو ایک دوسری سمت لیجانا چاہتا ہوں۔ غور کیجئے۔ زلزلہ۔ بجلی آندھی وغیرہ وغیرہ اپنی جگہ کتنی مہلک اور تباہی خیز ہین۔ مگر اسی کے ساتھ وہ اسقدر کم عمر بھی ہیں۔ جس کی وجہ سے دنیا کے نظام پر کوئی مضر اثر نہیں پڑتا۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ان مہلک اسباب کو دخیل ہونے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ اس قدرتی انتظام سے ہمین حاصل کرکے ہمین بھی ان جراثیم کو خواہ وہ خطرناک ہوں یا نہوں۔ منتقل ہونے کا کم سے کم موقع دینا چاہیئے۔ میرا یہ مطلب ہے۔ کہ لبوں کی وابستگی کے وقفہ مین اتنی تخفیف کردی جائے۔ کہ ایک جسم کے جراثیم کو دوسرے تک منتقل ہونے کا وقت نہ ملے۔ وقفہ کی تخفیف سے لذت مین جو کمی پیدا ہو۔ اس کی تلافی کثرت اور تکرار سے کرلی جائے۔ عام فہم زبان مین میرا یہ مطلب ہے۔ کہ جلدی جلدی بوسے لین۔ اور بہت سے بوسے لین۔ (ہیئر ہیئر اور چیئرز)

یہ ایسی تجویز نہیں ہے۔ جس پر عمل درآمد نہ ہوسکے۔ آپ نے اخبارات مین پڑھا ہوگا

کہ آسٹریا کی مایۂ ناز ایکٹرس نے اسی زود گیر و بارِ دیگر کی ترکیب پر عمل درآمد کرکے دنیا مین ایک بے نظیر مثال قائم کردی ہے۔ ہماری مس موصوفہ نے چار گھنٹوں مین سات ہزار اکتالیس بوسے لیے ہین۔ پس کیا امریکہ کی زندہ دل خواتین اپنی اس قابل قدر ہین سے پیچھے رہین گی۔ (آواز ہرگز نہیں)

یاد رکھیں۔ کہ جراثیم تب ہی منتقل ہوں گے۔ جب بوسے کی پیوستگی مین دیر لگے گی۔ اور فریقین ہم آغوش ہو کر علیحدہ علیحدہ ہونا بھول جائیں گے۔ امید ہے۔ کہ میری تجاویز کو آپ غور و فکر کا شرف بخشیں گے۔ اور تجربے کا موقع دیں گے۔"

"اب مین رخصت ہوتا ہوں۔ الوداع"

دوسرے دن پروفیسر موصوف کی تقریر پر دلچسپ تبصروں اور تصاویر سے اخبارات کے کالم کے کالم لبریز اور وقف تھے۔

بوسہ گیری کا قابل ملاحظہ ذکر

جرمنی مین فلم سازی کے ایک ایکٹر کو گرانقدر تنخواہ پر صرف اس وجہ سے ملازم رکھا گیا ہے۔ کہ وہ بوسہ گیری کے فن مین کمال رکھتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ فلم ساز کمپنی مین داخل ہونے سے پیشتر وہ ۲۷ حسین لڑکیوں اور شکیل ایکٹریسوں سے اپنا کمال مشاقی کی داد لے چکا تھا۔ صنف نازک مین وہ اسقدر مقبول نظر تھا کہ اس فرقے کے افراد اس سے ہم آغوش ہونے کے لیے دیوانہ وار نثار ہوتے تھے۔

بوسے کے تاریخی انقلابات

ایک دفعہ لنکن میں میخانۂ عشق سے ایک نوجوان نے خودکشی کر لی تہی۔ خودکشی سے پیشتر اس نے لکھکر ایک تحریر چھوڑی تہی۔ جس کا مطلب یہ تہا "بوسہ ایک متعدی اور غیر فانی شے ہے۔ اس کا سلسلہ لبوں سے تجاوز کرکے برسوں، صدیوں، اور قرنوں تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مرد اس سرمایۂ سکون و راحت کو جمع کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے دلنوازوں کو بخش کر مر جاتے ہیں"۔

یہ سوال کہ بوسے میں کیا دھرا ہے۔ ان کو اسکول کے تاریخ داں نوجوانوں سے پوچھنا چاہیئے۔ تاریخ کے وہ صدہا واقعات شاہد ملیں گے۔ روزمرہ کے سینکڑوں واقعات بتائیں گے۔ کہ بعض بوسوں نے تاریخ کے تسلسل کو منقلب کر دیا ہے۔ ہزاروں دلوں کی دنیا کو چشم زدن میں بدل دیا ہے۔ ایک ایک بوسہ کے صلے میں شاہوں نے اپنے تاج بخشدیئے اپنے تخت چھوڑ دیئے۔ اس نے کتنی بار، کتنی جگہ، میدان کارزار میں رن ڈالے۔ خون کی ندیاں بہادیں۔ دنیا کے جلیل القدر انقلابات کی اگر ابتدا دیکھی جائے۔ تو بعض اوقات صرف اسقدر پتہ ملے گا۔ کہ ایک مرد کے ہونٹ کسی عورت کے دہن نازک سے واصل ہو گئے۔ عقاید اور دین و ایمان میں لاکھوں دلوں کی تبدیلیاں اور اصلی غایت تلاش کی جائے۔ تو اکثر ایک بوسے کی خواہش یا احساس کیف ملے گا۔ جنوبی افریقہ میں جنگ بوئر میں انگریزی فوجوں کو شکست فاش جو ہوئی۔ جس سے صوبہ ٹرانسواں نے کامل آزادی حاصل کی وہ ایک بوسہ ہی کا نتیجہ تھے۔ اگر ایک بوسہ کی دلفریبیاں حائل نہ ہوتیں۔ تو کوہ مجوبا میں انگریزی فوجیں گاجر مولی کی طرح کام نہ آتیں۔ اور دوسری جنگ بوئر کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے۔ کہ انگریزی فوج کوہ مجوبا پر محصور پڑی تہی چاروں طرف دشمنوں نے نرغہ کرکے زندگی تنگ کر دی تہی۔ اسوقت جنوبی امریکہ میں کچھ انگریزی فوجیں بیکار پڑی تہیں۔ چنانچہ ان کے سالار جنگ کو وزارت حرب کی ہدایت ہوئی۔ کہ اول

الذکر کی مدد کے لیے فوج اور سامان حرب لے کر چلنے کے واسطے تیار ہو جائے۔ اور ہدایات و حکم ثانی کا انتظار کرے۔ فوج کے لیجانے کے لیے وزارت بحری نے کسی خاص جہاز کا انتظام نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہی انتظام تہا۔ کہ جو جہاز ہفتہ وار چلتا ہے۔ اسی مین فوجیں روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ حکم ثانی کے انتظار مین ایک شب الوداعی دعوت رقص و سرود جمی ہوئی تہی۔ شراب کے دور چل رہے تھے۔ اور اعلی افسران فوج اور سول اپنے معشوقوں کے ساتھ مشغولِ عیش و نشاط تھے۔ کہ اسی وقت انگریزی افسر کو وزارت کا تار ملا۔ کہ آج شب کو جو جہاز روانہ ہو رہا ہے۔ اس مین سوار ہو جاؤ۔ افسر مذکور کو جب تار ملا۔ تو وہ بھی دوسروں کی طرح شراب و ساقی ساغر و مینا مین مصروف اور بدمست تہا۔ تار کا لفافہ لیکر بغیر کھولے۔ جیب مین رکھ لیا۔ اور اپنی رنگ رلیوں مین مشغول ہو گیا۔ دوسری طرف جہاز کے محکمۂ بحری کو ہدایت تہی۔ کہ رات کے ایک بجے لنگر اٹھا دے۔ چنانچہ کپتان جہاز نے حسب ہدایت بلا انتظارِ مزید کے روانگی کا حکم دیدیا۔

رات بھر کی عیش سامانیوں کے بعد صبح کو دیر سے جب آنکھہ کھلی۔ اور نشہ اور توڑ سے دماغ صاف ہوا اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر جب کار منصبی پر جانے کے لیئے کسی ضرورت سے رات والے کوٹ کی جیب مین ہاتھ ڈالا۔ تو لفافہ ملا۔ تو رات کی بات یاد آئی کھول کر پڑھا۔ تو انداز ہوا۔ کہ وہ کتنے سنگین جرم کا مرتکب۔ کتنی شدید خونریزی کا موجب اور کتنے عظیم نقصان کا ملزم، اور کتنی ذلیل رسوائی کا مجرم بن چکا ہے۔ جہاز جا چکا تہا۔ اور دوسرا جہاز ایک ہفتہ سے پہلے روانہ نہیں ہو سکتا تہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوہ مجوبا پر حریف فوجوں نے ۲۷ فروری ۱۸۸۱ء کو حملہ آور ہو کر ساری انگریزی فوج کو معہ افسران کے موت کے گھاٹ اتار کر تاریخ کے سلسلہ کو پلٹ دیا۔ جو اس محفل عیش کے بغیر نہ ہو سکتا تہا۔

رولا مانٹیز یورپ کی ایک حسینہ ہی تہی جس نے معمولی حیثیت سے ترقی کر کے شاہان یورپ کے دلوں پر حکومت کی، ان کو عشرت نشین بنا کر ان کے محروسہ ملکوں

پر حکمرانی کی۔ ایک وقت میں یہی حسینہ ایک والیٔ سرائے کی منظور نظر ہو کر اس کے ہاتھی پر سوار ہوئی۔ اس کے محفل نشاط کی مقبول ساقی بنی پھر ایک انقلاب انگیز بغاوت کے الزام میں رسوا و ذلیل ہو کر پولیس کی بدولت عدالت کے کٹہرے میں کھڑی کی گئی۔ یہی خوبصورت بلا تھی۔ جو شاہ بوئریا کی ملکۂ حرم بنی اور اپنی سازشوں سے بادشاہ کو پامال کر کے وزراء اور رعایا میں مقہور اور معتوب ہوئی۔ اور اس کی مضبوط طاقتوں کے برباد کرنے کے واسطے فوج اور رعایا کو شریک بغاوت ہو کر اسلحہ اٹھانے پڑے جس سے ہزاروں انسان تہ تیغ اور بے اندازہ مال نذر آتش کیا گیا۔ اس تمام روئداد کی ابتدا عورت کی محبت کے ایک لفظ یعنی بوسہ سے ہوئی۔

زار روس کے عہد میں شہزادی ترلوز کی ایک نہایت حسین و جمیل عورت تھی جس کے بوسوں کی چاشنی نے امراء سلطنت میں آتش فساد و قتل لگا دی تھی۔ پہلے اس کی شادی ایک دولت مند ضعیف العمر شخص سے ہوئی۔ جس نے اپنی بے نظیر ملکہ کی دلداری اور ناز برداری میں اپنی دولت بے دریغ لٹائی۔ ایک شب کو جب اس کے محل میں ہی محفل عیش میں اس کے پروانوں کا اجتماع تھا۔ شہزادی نے اپنی دولت مند شوہر کی خودداری اور حشمت کو ٹھکرا کر ایک نوجوان شکیل ملاقاتی کو اپنی دلآویزیوں کے واسطے انتخاب کر لیا۔ اور ختم محفل تک اسی کے ساتھ ناچتی رہی۔ شوہر کے لیے یہ توہین ناقابل برداشت تھی لہذا اس نے مداخلت کی اور اپنی عیار بیوی سے باز پرس کی۔ حسین بیوی نے شوہر کو کسی جواب دینے کی بجائے اپنے نوجوان آشنا کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کا ایک پرزور بوسہ لے لیا۔

بیوی کو تو یہ خوف تھا۔ کہ اس کا انجام قتل ہوگا۔ اس لیے اس نے تسکین خواہش کی یہ آخری کوشش کی تھی۔ لیکن نتیجہ کچھ اور ہوا۔ نواب نے برآفروختہ ہو کر اس نوجوان کو دعوت دیدی۔ چنانچہ اسی وقت چاند کی سرد جھلک میں دونو تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن نوجوان رقیب بوڑھے کے مشاق وار کی تاب نہ لا سکا۔

نواب کی تلوار جوان کے سینہ مین اتر گئی۔ اور اسکو بہی رات کی طرح ٹھنڈا کر دیا
شہزادی نے شکست آرزو ہو کر۔ طلاق لے لی۔ تحصیل طلاق کے دوران
مین اس نے جس وکیل کو اپنا مشیر قانونی بنایا تہا۔ وہ حسینہ کے بہائے پیمانہ و جام پر معاوضہ
وکالت کیساتہہ نقد دل بہی چھوڑ بیٹھا۔ دونوں کے تعلقات یہاں تک بڑھے کہ
اس کی خاطر وکیل نے اپنی منکوحہ بیوی کو بہی جواب دیدیا۔ لیکن چند روز مین وکیل
سے بہی سیر ہوگئی۔ اور "کمر دزکی" نامی ایک نواب سے رشتۂ الفت جوڑ لیا
اور جب اس کی دولت بیدریغ لٹا چکی۔ تو پہر وکیل کے آغوش الفت کو اس شرط
پر دعوت دیدی۔ کہ وہ اپنے رقیب "کمر دزکی" کو قتل کردے۔ جب وکیل نے اس
خوفناک شرکت جرم سے انکار کردیا۔ تو عیارہ نے ایک اور قدردان نواب کی مجلس
عیش کو گرم کیا۔ مگر کمر دزکی سے انتقام کا خیال فراموش نہیں کیا۔ یہاں تک
کہ اس بہولے نواب زادہ کو آمادۂ قتل کر کے اس خطرناک کانٹے کو راہ سے ہٹا دیا

رومانیہ کے شہزادے کیبرول نے اپنی محبوبہ لوپیسکو کے دام محبت اور خال
رخ کا گرویدہ بنادیا۔ اور اس نے تاج و تخت کو خیرباد کہدیا۔ دولت و حشمت کو نثار
کیا۔ وزرائے سلطنت کو اس رنگین شہزادے سے کہا گیا۔ کہ تخت و تاج تمہارے
منتظر ہیں۔ آکر سنبھال لو۔ تو اس نے پہر بہی کہا۔ کہ مینے لپیسکو کی محبت گراں
نہیں خریدی۔ تاج اور مملکت دیکر مین نے اپنی پسند کا سودا خریدا ہے۔ مین اسپر
قانع ہوں۔ اگر لپیسکو کو میرے ساتھ رومانیہ آنے کی اجازت نہیں تو میرے لیے اس
مین کوئی وجہ کشش نہیں۔ میرے شایان شان ایفائے رشتۂ محبت ہے۔

یورپ کا جلیل القدر سپاہی شہنشاہ نپولین بوناپارٹ یورپ سے ان پر
فاتح افواج لیکر مصر کو روانہ ہوا۔ تو اس امر کی سخت تاکید کردی۔ کہ عورتیں قطعی
ساتھ نہ ہوں۔ اسوقت اس کی فوج مین ایک کارپول تہا۔ جسکی شادی کو چند روز

ہی گذرے تھے۔ اور بعد شادی نشاط سے سیر بھی نہ ہوا تہا۔ لیکن اس سے زیادہ یہ مصیبت تہی۔ کہ بیوی اسقدر حسین تہی۔ کہ معمر اور خشک مبصر اپنے دیرینہ زہد اور تقویٰ کو ایک نگاہ نیم باز پر نثار کرنے کو آمادہ تھے۔ ان دونوں کی حالت بہت مظلوم تہی۔ کسی طرح چارہ نہ تہا۔ بالآخر کارپول نے اپنی مونس حیات کو فوجی لباس پہنا کر ایک سپاہی کی شکل سے اس کو ساتھ لے لیا۔

مصر مین کیمپ پڑا ہوا تہا۔ کارپول اور اس کی بیوی ایک خیمہ مین رہتے تھے دنکو دونو فوجی پریڈ مین شریک ہوتے تھے۔ ایک عرصہ کے قیام مین بعض سپاہیوں اور افسروں کو کارپول کے اس نقلی سپاہی پر شک ہونے لگا۔ اور نپولین تک بات پہونچی۔ چنانچہ اس نے اپنے حضور مین طلب کیا۔ اور گفتگو مین تصدیق کر لی۔ پھر دو ایک روز کا وقفہ دیکر ایک پارٹی دی۔ اور اس نقلی سپاہی کو بہی آنے پر مجبور کر دیا۔ اسی کے ساتھ ایک غیر ضروری سا حکمنامہ تیار کر کے کارپول کو حکمدیا۔ کہ فوراً جہاز سے اٹلی روانہ ہو جائے۔ تیسری طرف کپتان جہاز کو حکمدیا۔ کہ جہاز کو دانستہ دشمن کے ہاتھوں مین گرفتار کرا دے۔ چنانچہ ایک جہاز پر کپتان اور کارپول تنہا روانہ ہوئے۔ کپتان نے غلط راستہ پر جہاز کو چلا کر دشمن کے حوالے کر دیا۔ اب کارپول انگریزی جہاز پر غیر معین مدت کے لیے گرفتار تہا۔ ادہر نپولین اس نازنین کو تسخیر کر چکا تہا۔ اور بوسہ ہائے شیرین کی رنگ رلیوں مین مشغول تہا تیسری جانب حریف (انگریزوں) کو محکمہ جاسوسی کے ذریعہ تمام خبریں پہنچتی رہتی تہین چنانچہ انگریزی جہاز نے نپولین کے عیش آمیز ارادوں کو برباد کرنے کی غرض سے کارپول کو پھر مصری بندرگاہ پر اتار دیا۔ جب وہ چھپ چھپا کر کیمپ مین پہونچا۔ تو معلوم ہوا اب دنیا بدل چکی ہے۔ کارپول نے بیوی کے قتل اور اپنی خودکشی سے اس فسانۂ عجب کو ختم کر دیا حسینہ کے قتل نے نپولین کے قلب پر ایک شدید چرکہ کا کام کیا۔ جس نے اس کی اکثر فتوحات کو شکستوں مین تبدیل کر دیا۔ اور مشرق قریب مین اس کی پیشقدمی کو روک دیا۔

انیسویں صدی کے آخر میں آئرلینڈ کی جنگ آزادی وہاں کے قائد مسٹر پارنل کی سرکردگی میں برپا ہوئی۔ آثار اور قرائن اسی وقت اس کے شاہد تھے کہ آئرستان اب آزاد ہوا چاہتا ہے۔ لیکن یہ ایک بوسہ کی لطافت ہی تھی جس اس ملک کی حیات غلامی میں تیس ۳۰ برس کا طول دیا۔ یعنی عین سر فروشی اور جانبازی کے عالم میں ایک انگریزی خاتون نے پارنل کا دل موہ لیا۔ اور وہ اس کے ایک بوسہ کی قیمت میں اپنے جذبات حب الوطنی اور سر فروشی کو حوالے کر کے رسوائی اور محلسرا کے اندر اسی خاتون کی زلفوں میں محبوس ہو گیا۔ حتیٰ کہ دست اجل نے آ کر رہائی دلائی۔

یہ لعبتانِ فرنگ کے خونی بوسے تھے۔ جن پر ابراہیم پاشا خدیو مصر نے خزانۂ شاہی لٹا دیا۔ اور پھر ناقابل عمل شرائط پر یوروپین سلاطین سے قرضے لیکر مصر کو ایک مدت کے لیے برطانیہ کا غلام اور اسیر بنا دیا۔

یہ بتان یورپ کے بوسے ہی تو تھے۔ جنہوں نے احمد شاہ قاچار کو بیخود بنا کر جنگ عظیم کے زمانہ میں ہاتھ سے آزادی وطن کی واپسی کا ایک نادر موقع نکلوا دیا اور ایران کی اسیری کی مدت میں دس برس کا اضافہ کر دیا۔ پھر یہ انہیں مہوشانِ فرنگ کی قید محبت تھی۔ جنہوں نے اس نوجوان کو اپنے وطن سے بیزار کر دیا۔ اور بالآخر تخت و تاج کے جلال و حشمت سے بے تعلق کرا کے پیرس میں گندی کی دکان کھلوا دی۔ اور پھر معہ اثاث البیت کے انہیں بتوں کے قدموں میں دفن کرا دیا۔

یہ ایک غیور مسلمان کی عصمت مآب لڑکی کے بوسہ کی ہی ناجائز خواہش تھی جو چینی ترکستان کے چینی گورنر کو سرگرداں کر رہی تھی۔ اُس نے اس دوشیزہ کے حاصل کرنے میں کمال ظلم و زیادتی سے کام لینا چاہا۔ مگر لڑکی کے ہم قوموں کی غیرت

مذہبی اور فوجی تہی۔ جس نے تمام قوم کو آمادہ سر فروشی کر کے چند روز میں دشمنانِ عصمت و عفت کو شکستہ و پامال کر کے ملک اور قوم کو اسیری اور غلامی کی لعنت سے آزاد کر دیا۔

یہ ممتاز بیگم مشہور طوائف کے بلا آمیز بوسے ہی تہے۔ جنہوں نے مہاراجہ اندور کو تاج اور ریاست سے محروم اور عزت و جلال سے بے تعلق کر کے ہندوستان سے نکلوا دیا۔ یہ اسی کے قیامت خیز بوسے ہی تھے۔ جنہوں نے سیٹھ باولا سوداگر بمبئی کا والکیشر پر کام تمام کیا۔ یہ اسی کے ہلاکت آفریں بوسے تھے۔ جنہوں نے امرتسر کے محمد حسین جیسے وجیہ سوداگر چرم اور شہ زور پنجابی کو دائمی نیند سلا دیا۔

غازی امان اللہ خان فرماں روائے کابل اپنی محبوب ملکۂ ثریا کے ایک بوسہ کا مجرم تہا۔ جو اس نے پہلے سفر یورپ کے دوران میں تختۂ جہاز پر علانیہ اپنی پیاری ملکہ کی ایک شوخی پر لے لیا تہا۔ گو اس میں ہرگز کوئی امر مانع نہ تہا لیکن اس کا نتیجہ غازی ممدوح نے واپسئی وطن پر ایسا دیکھا۔ کہ آخر تخت و تاج سے محروم ہونا پڑا۔

۱۸۵۷ء کے حادثہ فاجعہ کے بعد ہندوستان میں لارڈ ایلگن برو ایک وائسرائے آیا تہا۔ یہ ایک زبردست اہل قلم بھی تہا۔ اس کی حکمرانی میں مسلمانوں کی مخالفت کا رنگ ابتدا سے تھا۔ اور ۵۷ء کے حادثہ کا تمام الزام مسلمانوں سے منسوب کرتا تہا۔ اس کے عملہ میں ایک شکیل نوجوان مسلمان تہا جس کو وائسرائنی کی نظر انتخاب نے چن لیا ہندوستان کے وائسرائے کی ملکہ کے لیے کسی چیز کی کیا کمی ہو سکتی تہی۔ مگر یہ بوسہ الفت آتش سوزاں تہی۔ جس کے اضطراب نے اس سارے حشمت و جلال کو ٹھکرا دیا۔ اور اس ملکہ نے ایک سکون قلب کی خاطر ہر شے کو پس پشت ڈال دیا اور ملازم کو لے کر مصر چلی گئی۔ جہاں اس نے مسلمان ہو کر ایمان اور جان کے واسطے اسلام اور مسلمانوں کی پابندی قبول کر لی،

دنیا کا گوشہ گوشہ، تاریخ کے بیشتر اوراق، روزمرہ کے اکثر حوادث حسن وعشق بوس وکنار کے واقعات سے رنگین ہے۔ یہ کیفیت تہذیب اور تمدن، ادبیات اور فنون لطیفہ کا اہم جزو ہے۔ اس کے واقعات ایک ختم نہ ہونے والی فہرست رکھتے ہیں، بے شمار کتابیں ظہور میں آکر فراموش کردی گئیں۔ یعنی اپنی یادداشت سے چند ایسے واقعات قلمبند کیے ہیں۔ جنہوں نے تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے یا جن کی یاد عوام کے ذہن میں اب تک تازہ ہے۔ اور چٹکیاں لیتی ہے۔ شہروں کے بازاری واقعات بہت سے جمع کیے جا سکتے تھے۔ لیکن یہ روزمرہ کے ایسے واقعات ہیں۔ جن کا اعادہ ہر جگہ ہوتا رہتا ہے۔ اور جن میں کوئی وسعت پذیر جاذبیت نظر نہیں آتی۔

وقعت نہیں رکھتا۔ اگر بفرض محال عشاق اپنی صدیوں کی تکرارہ تاریخی روایات، جائز حق، اور عطیہ سے دست بردار ہونا بھی گوارا کرلیں۔ اور محبوب و معشوق کے بوسہ لینے سے باز آجائیں تو ہم ان اطبا و حکما کو پھر توجہ دلاتے ہیں۔ کہ اس منزل تک ان کا رسائی حاصل کرنا کوئی آسان کام ہوگا اس تہذیب، روشنی، و جمہوریت کے دور میں جب کہ سلف ڈٹرمی نیشن (خود اختیاری) اور سروائول آف دی فٹ قوموں اور جماعتوں کی بنیادی اصول ہوں۔ تو کوئی قوم بلکہ کوئی متنفس بھی اس عہد میں بغیر کسی معقول و مساوی صلہ کے اپنے کسی جزوی عطیہ یعنی طاقت سے دست کش ہو کر کمزور ہونا گوارا نہ کرے گا۔

لہذا کسی ایسی نقیض امن تحریک کی تجویز سے قبل حکمائے یونان کے ان نائبین کو اسپر خوب غور کرلینا چاہیئے۔ کہ بوسہ کو مضر صحت قرار دیکر اور اس سے باز رکھ کر آخر ایسی ہی شیریں اتنی ہی نمکین اور مجل یہ کہ اتنی ہی اچھی وہ کیا چیز پیش کر سکتے ہیں۔ شاید تجویز کریں کہ فریقین مواصلت میں ناک رگڑا کریں۔ مگر واضح رہے کہ اگر یہ یا اس قسم کی کوئی اور بیہودہ تجویز یا نعم البدل پیش کریں گے۔ تو دنیائے تہذیب و تمدن میں ایک طوفان عظیم برپا ہو جائے گا۔ جس کی تمام تر ذمہ داری ان پر ہوگی۔ کیونکہ اس سے وصل کی خوش کامیوں کی سخت توہین ہوگی۔ فراق کی شکایت اور وصل کی کامرانیوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ بہار و خزاں کے تمام امتیازات اٹھ جائیں گے۔ اور موسموں اور حالتوں کی یکرنگی سے جو بے شمار امراض اور وبائیں نمودار ہوں گی۔ اُن کے تمام تر ذمہ دار یہی ہوں گے۔

غرضیکہ یہی کہنا پڑے گا۔ کہ وہ بوسہ کا کوئی نعم البدل نہیں دے سکتے۔ لیکن اگر اس پر بھی انہیں دعوی اور مطالبہ کی صحت پر اصرار ہے۔ تو جبر و استبداد کی راہیں کھلی ہیں۔ جس کے مقابلہ میں اگر خدا نخواستہ بوسہ پسندوں نے ستیہ گرہ اختیار کیا۔ تو پھر ہر کوچہ و بازار باغ و چمن، محل و محل سرا میں بوسوں کی ہی چٹاخ پٹاخ سنائی دینگی۔

لہذا بہتر اس کے کہ یہ واجب التنظیم اطبا تبادلہ خیال کی غرض سے کوئی مجلس شوریٰ کریں۔ اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ بوسے کی ایک مجمل تاریخ پیش کرکے اس کی حقیقت اس کی چاشنی و لطافت کی قیمت اس کے موجدوں کے مقصد اور بندیوں کی نیت سے اہل شوریٰ

لطائف وظرائف

۱

تاریکی میں سگرٹ سگار پینے میں لطف نہیں آتا۔ کیونکہ دھوئیں کی موجیں نظر نہیں آسکتیں لیکن بوسہ کی دوسری کیفیت ہے اس کے لیے تاریک فضا ہی موزوں ہے۔ دھوئیں کا تعلق بینائی سے ہے۔ مگر بوسہ کا تعلق قوت لامسہ سے ہے۔ اگر یہ صحیح نہیں ہے تو بوس وکنار کی ہم آغوشیوں کے وقت کیوں روشنی بجھا دی جاتی ہے۔؟

۲

اشانی۔ بیٹی رات بیرسیول کے تمہارے کمرے سے نکل کر جانے سے پہلے میں نے کچھ بوسوں کے چٹخاروں جیسی آواز سنی تھی۔ مجھے تمہارے پیار و محبت کا ہی خیال تھا کیونکہ جب تمہارے باپ سے میری آشنائی ہوئی تھی۔ تو ہم بھی پیار و محبت سے پیش آتے تھے۔ مگر پیار پیار میں فرق ہوتا ہے۔ بیٹی اپنی اماں کو بتلاؤ تو کہ بیرسیول نے کہاں کہاں پیار کیا۔

کیوں اماں؟ برآمدہ میں پیار کیا تھا۔

بیٹی بیٹی۔ کیسی غلطی کرتی ہو۔ تمہارے باپ نے تو ہمیں کبھی برآمدہ میں نہیں پیار کیا ہمیشہ میرے دہن کا بوسہ لیتا تھا۔

۳

صرف بوسہ ہی ایسی شے ہے۔ جس میں اپنی قیمت کا بھرپور صلہ مل جاتا ہے۔ آدمی اور چیزیں خریدتا ہے۔ بعض اوقات ادائیگی قیمت کے بعد خرید کردہ شے کی مالیت کی کمی کا اندازہ کرتا ہے مگر بوسے ہر قیمت پر اطمینان رہتا ہے۔

۴

زنانہ جلسہ میں مقرر نے جدید عورت کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے۔ ان کے لباس کی جدید ترین تبدیلیوں اور ترقیوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا۔ کہ فیشن پرور عورتوں

کو الزام دیا جاتا ہے۔ کہ وہ عریاں پسند ہوگئیں ہیں۔ اور اشتعال انگیز لباس پہنتی ہیں۔ لیکن یہ معلوم کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کہ عورتوں نے جب سے جدید وضع قطع کا نیم عریاں لباس پہننا شروع کیا ہے۔ دُنیا مین حوادث اور سانحات کی تعداد نصف رہ گئی ہے۔

ایک ظریف نوجوان نے حاضرین مین سے کھڑے ہو کر کہا۔ میری مداخلت کو معاف کیجئے۔ مین یہ تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ یہ عورتیں بقیہ لباس بھی چھوڑ دیں تاکہ باقی نصف حوادث بھی نہ رہیں اور دنیا مین امن ہو جائے۔

۵

امیر زادی، مجھے آپ سے الفت نہیں ہے۔ اس لیے آپ سے شادی نہیں کرسکتی۔ البتہ اپنا بہائی سمجھنے مین مجکو کوئی تامل نہیں،

امید وار، اچھا تو ابا جان کے مرنے پر ان کے ترکہ مین سے مجکو کسقدر حصہ ملیگا؟

۶

شوہر، مین کل روانہ ہوں گا۔ پیاری تمہیں تو بہت افسوس ہوگا۔

بیوی، ہاں مجھے تو امید تھی آپ آج ہی چلے جائیں گے،

۷

باپ، رات اتنی دیر تک کہاں رہے؟

بٹیا، ایک مجلس مین گیا تھا۔

باپ، مجلس مین؟ مجلس کس کے ہاں تھی؟

بٹیا، نواب جان طوائف کے ہاں۔

۸

امید وار، سرکار کیا پوچھتے ہو۔ ایک زمانہ ہمارا بھی تھا۔

دوشیزہ، ہوگا۔ مین اِس وقت اُس زمانے کی گردان نہیں کرسکتی!

۹

ولینٹیؤ میٹی (افسانۂ عشق) کے مطالعہ کے بعد اپنے شوہر سے دریافت کیا۔
اے کاش تمام مرد اپنی بیویوں کے ایسے ہی عاشق اور گرویدہ ہوتے جیسے ولینٹیؤ اپنی بیوی کا عاشق و دیوانہ تھا۔
شوہر، اگر تمام مرد اور شوہر زر پرستی چھوڑ کر حسن پرستی میں مشغول اور حسن پرستی سے زر پیدا کرنے لگیں۔ جس طرح ولینٹیؤ ان بیویوں کی حسن پرستی کرتا ہے۔ جن کے شوہر ولینٹیؤ کی طرح ان کی پرستش نہیں کر سکتے۔ بلکہ زر پیدا کرتے ہیں تاکہ ان کی بیویاں زر صرف کر کے ولینٹیؤ کی حسن پرستیوں کی تماشائی بنیں، تو بتاؤ پھر ان بیویوں کو ایسے شوہر کب تک اور کہاں تک ملیں گے،؟

۱۰

ایک شخص خاموش طبیعت رکھتا تھا۔ اور دوسرے مردوں کی طرح اپنی بیوی کو داد حسن دینے سے محترز تھا جس سے اس کی بیوی بھی واقف ہو چکی تھی تاہم ایک روز خلاف معمول بیوی کو فرشتہ کے نام سے کہہ گذرا۔ یعنی ایک روز کسی بات پر کہنے لگا۔
بیگم، تم تو فرشتہ معلوم ہوتی ہو،
یہ سنکر بیوی کا تمام دن اس طرح مسرت سے گذرا کہ دن بھر وہ اس جملہ کو یاد کر کے خود ستائی اور محبت کی مسرتوں سے محظوظ ہوتی رہی۔ اور سمجھنے کی مشتاق رہی کہ آخر اس کے رویہ میں ایسی کونسی ادا بھائی جس نے ان کی زبان سے یہ جملے نکلوائے۔ چنانچہ شوہر کی واپسی پر مزید داد حسن کی امید پر دریافت کیا کہ آج کیوں میری ایسی عزت افزائی فرمائی گئی ہے؟
شوہر، اس لیے کہ اول تو آپ اُڑی اُڑی پھرتی ہیں۔ دوسرے ہر وقت گن گناتی پھرتی ہیں۔ اور اس پر یہ کہ تم یہ بھی کہتی رہتی ہو۔ کہ میرے پاس پہننے کو کپڑا نہیں رہا۔ ننگی ہو رہی ہوں،

۱۱

چارلی۔ (منھ پھلاکر) ایک بوسہ۔ پیاری!
برتھا۔ اے ہے! تمہیں بھی یہ سوجھی! اور دوسروں کی طرح ہو گئے۔
چارلی۔ (ملتجی نظروں سے) ہاں۔ پیاری۔
برتھا۔ غنیمت ہے۔

۱۲

شاعر۔ ہاں مجھے اس پر فخر ہے کہ میرا کلام مقبول عام ہے۔ بلکہ ہر شخص پڑھتا ہے۔
محبوبہ۔ ہائے کیا شادی بھی کرلی ہے۔

۱۳

ایک صاحب خواتین سے بہت اخلاق سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی تعریف و توصیف مین مبالغہ آرائیوں سے کام فرمانے لگے۔ آجتک مین نے کسی عورت کو بدشکل ہی نہین دیکھا۔

ایک ظریف طبع عورت بیٹھی تھی۔ جس کی ناک اتفاق سے بیٹھی ہوئی تھی سنکر کہنے لگی۔ کہ میری طرف دیکھو، آج اقرار کرلو، کہ تم نے بدصورت عورت بھی دیکھی ہے۔ اس شخص نے کہا۔ بیگم! کیا کہتی ہو۔ مین سچ کہتا ہوں۔ کہ تم بھی اپنے ہم جنسوں کی طرح فرشتہ ہو اور آسمان سے ہی گری ہو۔ اس مین تمہارا قصور نہیں ہے۔ ہاں تمہاری قسمت کا قصور ہے۔ کہ تم ناک کے بل نازل ہوئیں۔

۱۴

وہ جا رہا ہے شیطان۔ دنیا مین اس سے زیادہ کمینہ کوئی نہ ہوگا۔
کیوں؟
بدمعاش نے پہلے تو ٹیلیفون پر مس نرووڈ سے اظہار تعشق کیا، چکنی چپڑی باتوں سے اس کو خوش کیا۔ اور جب اس نے شادی کرنا قبول کرلیا۔ تو کہتا ہے کہ معاف کرنا غلطی ہوئی مین دوسری نازنین کے دہوکے مین تہا۔

۱۵

ایلمر کی ۱۳ سال کی عمر تھی۔ اور حسن پرستی و تعشق کے باب مین نو مشق تہا ایک روز اپنے دوست جان سے اپنے دل کی کیفیت بتلا کر مشورہ دریافت کرنے لگا ایلمر نے کہا۔ مین تین مرتبہ اُس شمگر کے ساتھ جا کر اُس کے مدرسہ تک چھوڑ آیا۔ اپنے ہاتھ مین اس کی کتابیں اُٹھا کر لیجاتا تہا۔ راستہ مین دو مرتبہ آئس کریم کی قلفیاں اور سوڈا اسٹربت بھی پلایا۔ بتاؤ اب تو مجھے پیار کرنے کا حق ہو گیا ہے۔

جان۔ (کچھ دیر تامل اور فکر سے کام لیکر) ایلمر تم کو اس کی ضرورت نہیں چھوڑو۔ بس اب بہت ناز برداری کر چکے،

۱۶

جارج ایک عرصہ سے اس ماہ رو کے دام محبت مین مبتلا تہا۔ اور اشاروں کنایوں سے اظہار الفت کرتا اور داد عشق پاتا رہا۔ جب کرسمس ڈے قریب آیا تو اسما رالرجال کی ایک خوبصورت سی کتاب نذرانۂ محبت مین محبوبہ کے باپ کی موجودگی مین اس کو پیش کی۔ کچھ دیر تک ورق گردانی کرتی رہی مگر جب جارج نے رخصت چاہی تو وہ کتاب مین دیکھہ کر ایک جگہ سے پڑھنے لگی۔ کہ ولیم کے معنی نیک۔ جیمس کے معنی معشوق (پھر ایک خیال سے محجوب ہو کر) دیکھیں۔ جارج کے کیا معنی ہین۔

باپ۔ جارج کے معنی مین صحیح بتلاتا ہوں۔ جارج معنی معاملہ۔

۱۷

ماں۔ بیٹی۔ تمہارے بال بڑے خوشنما ہین۔ کیا چارلی نے تمہاری خلاف منشا پیار کیا تہا۔

بیٹی۔ ہاں اس کا تو یہی خیال ہے۔

۱۸

عورت، میرے شوہر نے مجھے یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔ کہ اب سیر ہو گیا ہوں۔
مجسٹریٹ، تو شاید تم نے کھانا زیادہ کھلا دیا ہوگا۔

۱۹

بگی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک ایک بوسہ میں دفتر معلومات پوشیدہ ہے۔
پرسی۔ پھر کیا ہے؟ کتب خانہ کھول دیجیے۔

۲۰

فریقین بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر عاشق نے یہ جان کر سوال اسی سے ہے۔ اور اسی سے اظہار مدعا کرنا ہے۔ جھجکتے ہوئے دریافت کرنے لگا۔ کہ اب کیا سوچ رہی ہیں۔؟
نازنین نے شرم سار اور مضطرب ہو کر کہا۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر رسماً تجویز آپ کی طرف سے ہونی چاہیئے۔

۲۱

شوہر، کیا اب تک چاہتی ہو۔؟
بیوی بے شک! بے شک!
شوہر۔ بہت زیادہ۔
بیوی۔ کئی کئی لوتشک۔
شوہر۔ گویا تم لپّو کی طرح چپٹی جاتی ہو۔ مگر خدا کے واسطے اس مہینہ تو میری تنخواہ میں مجھے چھ روپے واپس کر دینا۔ بہت ضرورت ہے۔

۲۲

تو گویا آپ میری بیٹی کے خواستگار ہیں میراؤن نے نوجوان سے کہا۔ مگر آپ نے اس کی ماں کو بھی دیکھا ہے؟
نوجوان جناب مگر بیٹیاں اتنی دراز سن نہیں ہوتیں کہ ماں نظر آنے لگیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپکی ماں بیٹیونکی شباہت میں فرق ہے اور میں پہچانتا ہوں۔

۲۳

"ہاں۔ تو آج آپ اسمتھ سے لڑ بیٹھیں۔ مگر کیوں؟

"آج اس نے مجھ سے شادی کرنے کی درخواست کی تھی۔

"مگر یہ تو کوئی لڑنے کی بات نہ تھی،

ہاں۔ لیکن کل مجھ سے وہ یہی دریافت کر چکا تھا۔ اور میں منظور کر چکی تھی۔

۲۴

(رقابت) ابھی کل تو شادی کی ہے مگر بازاری لوگوں کی طرح غیروں سے ہم آغوش ہوتا پھرتا ہے۔

۲۵

مرد۔ کیا میں بوسہ لینے کے قابل ہوں۔

معشوقہ۔ مجھے کیا علم اور لوگ تو قابل ہیں۔

۲۶

ایک۔ میں نے ایلا سے شادی کی درخواست کی تھی۔ مگر وہ ہنس پڑی۔

دوسرا۔ آہا ہا۔ مگر وہ تو حماقتوں پر ہنستی ہے۔

۲۷

خواستگار۔ اب میں سمجھ گیا ہوں۔ الائس۔ کہ عورتیں صرف بیوقوفوں سے ہی خوش ہوتی ہیں۔

الائس۔ آہا۔ آپ غلط سمجھے۔ میں تو پھر بھی تمہاری پروا نہیں کرتی۔

۲۸

نازنین۔ میرے شادی منظور کر لینے پر الفریڈ اتنا خوش ہوئے۔ کہ کہنے لگے اب میں ساتویں آسمان پر پہونچ گیا۔

واقفکار۔ بے شک وہ پہلے چھ مرتبہ شادی کر چکے ہیں۔

۲۹

بیوی۔ کیا تم نے کبھی محبت و پیار کی باتیں ہی نہیں کیں۔
شوہر۔ کیوں نہیں دیکھو کیسی پیاری چاندنی ہے۔؟

۳۰

بلیک۔ مجھے جیمس کی طرف سے افسوس ہے۔
رگرے۔ کیوں؟
بلیک۔ اس کی بیوی ہر وقت اڑی پھرتی ہے۔
رگرے۔ میاں سودا خریدتی ہوگی۔

۳۱

لوگ کہتے ہیں۔ کہ وصل یار سے پہلے اشتیاق کی گھڑیاں نہایت حسرت آمیز اور شیریں ہوتی ہیں۔ مگر یہ بالکل غلط اور مغالطہ ہے۔ مجھ کو دیکھئے حجامت بنا رہی ہیں دو مرتبہ اشترا لگا۔ تین بکھائیاں خون آلود ہوئیں۔ پانچ کالر خراب ہوئے۔ معلوم دوسروں کے ساتھ کیا گذرتی ہوگی۔

۳۲

ایک فقیر۔ تمہارا بیٹا میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کی آمدنی کا کیا ذریعہ ہے
دوسرا فقیر۔ معقول ذریعہ ہے۔ میرے بعد میرے گشت کے سارے گھر اسی کے واسطے ہیں۔

۳۳

بیوہ۔ اپنے شوہر کی موت سے مجھے اسقدر صدمہ ہوا۔ کہ کسی طرح چین نہ آتا تھا لہذا میں نے مجبور دیور سے شادی کرلی۔
دریافت کنندہ۔ تو اب مقصد حل ہوگیا؟
ہاں۔ اب میں یہ سمجھ لیتی ہوں۔ کہ جیٹھ مرگیا۔

۳۴

نازنین نے سنجیدگی سے کہا۔ کہ اب مجھے تم سے الفت نہیں ہے۔ اس لیے میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔ البتہ میں تمہیں اپنا بھائی تصور کروں گی۔

اس نے خوش ہو کر کہا۔ بہت بہتر مگر یہ بتایئے۔ کہ آپ کے والد کے انتقال پر میرے حصہ میں کتنی جائداد آئے گی؟

۳۵

خاتون مہمان نے میزبان کے چھوٹے بچے کو آغوش میں لینے کے لیے باہیں پھیلائیں اور شفقت سے دریافت کیا۔ کیا آپ ہمیں پیار نہیں کرینگے؟

ٹامی۔ (پیچھے ہٹکر) نہیں ہم نہیں کرتے۔

خاتون۔ کیا آپ ہمیں نہیں چاہتے۔؟

ٹامی۔ نہیں ہم نہیں چاہتے۔

خاتون۔ کیوں نہیں۔

ٹامی۔ تم بدصورت ہو۔ اس لیئے نہیں چاہتے۔

ماں نے مداخلت کر کے تنبیہاً کہا۔ ٹامی تم کو شرم نہیں آتی۔؟

ٹامی۔ بس خاموش رہیئے۔ کل ہی تو مجھے سزا دی تھی۔ کہ میں نے سچ نہ بولا تھا۔ اب میں ایسا خطرناک کام نہیں کرونگا۔

۳۶

تینا۔ تیئس۔ اسوقت مجھ سے زیادہ دنیا میں کوئی خوش نہ ہوگا۔ کیونکہ جس سے میں شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس سے میری شادی ہوگی۔

تیئس (سہیلی) اُونہہ۔ جسکو دوسرا چاہے۔ اس سے شادی کرنا کونسے فخر کی بات ہے

۳۷

طلبگار (نازنین کے باپ سے) قبلہ مجھے تو وہ زمین بھی عزیز ہے۔ جس پر آپ کی لخت جگر قدم رکھتی ہے۔

باپ۔ تو صاحبزادے اس کا زر رہن ادا کر دو۔ تو بیٹی کو لے جاؤ۔

۳۸

خواستگار۔ پیاری لینا میں پہلا شخص ہوں۔ جو تم سے بوسہ کا خواستگار ہوتا ہے

لینا۔ بے شک۔ دوسروں نے بغیر درخواست کے بوسے لیئے۔

۳۹

سہیلی۔ کیا اس نے آپ سے ہاتھ چاہا ہے (درخواست شادی کی ہے)
نازنین۔ ہاں جب اس کے ساتھ سینما جاتی ہوں۔ تو بس ہاتھ ہی پکڑے رہتا ہے

۴۰

مرد۔ یہ انگشتری میری محبت کی نشانی ہے جس کی کہیں انتہا ہی نہیں ہے۔
نازنین۔ اور میری الفت کی بھی نشانی ہے جسکی کہیں انتہا ہی نہیں۔

۴۱

پہلی۔ شوہر کے بغیر مجھے جینا عذاب ہے۔
دوسری۔ اتنی تمکو اس سے محبت ہے۔
پہلی۔ یہ وجہ نہیں۔ مجھے ان کی آمدنی مطلوب ہے۔

۴۲

خواستگار۔ آپ پہلی نظر میں عشق کی قائل ہیں۔
نازنین۔ بیشک بیشک۔ پاس بک کی پہلی نظر کی۔

۴۳

ایک۔ کبھی آپ کو شادی کرنے کا بھی خیال آتا ہے؟
دوسرا۔ نہیں جناب دوسرا کھانا مین ہی نمٹا دیتا ہوں۔

۴۴

نازنین۔ فکر ہے۔ کارل مجھ سے شادی کا آرزومند ہے اور کہتا ہے۔ کہ میرے بغیر اسکو جینا حرام ہے مین کس طرح اس کی غلط فہمی رفع کروں؟
سہیلی۔ اس سے شادی کر کے۔

۴۵

وہ۔ مین اگر تمہارا بوسہ لوں۔ تو تم اپنی ماں کو بلاؤ گی۔!

کو آگاہ کر دوں۔ تاکہ وضع قانون کے وقت نیت و افعال۔ مس و آواز۔ فریقین یا معاملہ داروں کی پوزیشن اور ذمہ داریاں واضعین کے سامنے رہیں۔ اور وہ صحیح طور سے پابندیاں عائد کر سکیں۔ تاکہ ان کا کوئی فعل جمہور کی نظروں میں لائقِ گرفت نہ ٹھیرے۔

پس اول یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ بوسہ محض کسی عشق یا ایسی ہی محبت کے اظہار کی شکل نہیں ہے۔ بلکہ مادری محبت، بزرگوں کی تعظیم، دوستوں کے احترام، اور آقاؤں کیساتھ وفاداری و عقیدت کے اظہار کے لیے بھی دنیا بھر کی متمدن و مہذب قوموں نے اس شکل و طریقہ کو قبول کر کے اپنے روزمرہ کے نصاب اور دستور العمل میں شامل کر لیا ہے۔ اور اب اس لطیف و لذیذ چاشنی سے صرف وہی قومیں محروم و ناواقف ہیں۔ جن پر علم و تہذیب کی روشنی ضو فگن نہیں ہوئی۔ مسئلہ ہذا کی تلاش و تحقیق میں اگر ادبیات کی طرف رجوع کریں کیونکہ حصول معلومات کی غرض سے یہی مستند و آسان ذریعہ ہو سکتا ہے۔ تو ہمیں یونان کی ادبیات کی ورق گردانی کرنی ہو گی قدیم یونان کے شاعر اکبر ہومر کے قصائد سے یہ پتہ ملتا ہے۔ کہ اس وقت تک والدین کو وفورِ محبت یا اظہارِ شفقت سے چومتے تھے۔ چونکہ جوش مسرت کے اظہار کے لیے بوسہ ہی ایک ایسی شکل ہے جو اس مفہوم کو پوری طرح ادا کرتا ہے۔ اس لیے فقراء اور حاجتمندوں نے خواہ بخیال وقعت یا التعظیم یا بوجہ فرط انبساط و مسرت اپنے نیلین ہمدردوں اور وقتِ ضرورت کام آنے والے محسنوں کا بوسہ لینا شروع کر دیا۔ ابتدائے آفرینش یعنی ابتدائی حالتوں میں بوسہ دو دلوں کے عاشقانہ معاملات میں ہرگز مخل نہ تھا۔ چنانچہ ڈینس و مارٹسن، الساس و سرسی اور پیری و ہیلن کے مشہور فسانہ ہائے عشق میں بوسہ کا کہیں ذکر نہیں۔ ہیرو و زیو کی داستان محبت میں کسی جگہ بوسہ کا نام نہیں۔ ہکٹر کی محبت بھری داستان میں ایک جگہ اتنا ذکر ضرور ہے۔ کہ ہکٹر نے فرط جوش میں اپنی معشوقہ کا ہاتھ دبایا تھا۔

قدیم مصر کو بوسہ کی لذت گیریوں سے کوئی معرفت نہ تھی۔ بوسہ لینے کی بجائے سینے سے لگاتے تھے۔ سنسکرت کی قدیم شاعری سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بوسہ محض مادری محبت میں مستعمل تھا۔ بعد کی تصانیف سے اتنا اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں بارہ

کیوں۔ کیا سارے خاندان کے بوسے لینا چاہتے ہو۔

۴۶

نوجوان۔ مین آپ کی دختر سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

سن رسیدہ۔ آپ میری بیوی سے بھی ملے ہین؟

نوجوان۔ مگر مین شادی آپ کی دختر ہی سے کروں گا۔

۴۷

نازنین۔ تم قسم کھاتے ہو۔ کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے؟

عاشق۔ ہاں۔ بے شک۔

نازنین۔ تمہیں کسی اور سے محبت نہیں؟

عاشق۔ نہیں۔

نازنین۔ میرے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتے۔

عاشق۔ نہین۔

نازنین (زور سے) اتنا سفید جھوٹ بولنے کی تمہیں کیسے جرأت ہوئی۔ جب میں تم سے نہیں ملتی۔ تب تم کیوں زندہ رہ جاتے ہو۔

۴۸

(رومن کے قاعدے سے اردو کی ابجد کی طرح انگریزی مین بھی۔ حروف کے اعداد مقرر ہین چنانچہ X کے ۱۰ اور ۷ کے ۵۰ ہوتے ہین۔ اور حساب مین XXXX ۷ کے ادل تو بے قاعدہ اور بے معنی ہے۔ یہ تحریر ۹۰ کے برابر ہے اس کے ساتھ ہی ادب میں ۷ محبت اور X بوسہ کے معنے مین مستعمل ہین)

ایک انسپکٹر مدارس نے ایک مدرسہ مین کسی جماعت کے بچوں کی قابلیت کی غرض سے تختۂ سیاہ پر XXXX ۷ لکھا۔ اور پھر تمام کلاس پر نظر ڈال کر ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے تحریر کے معنے دریافت کیئے۔

"لڑکی نے فوراً کھڑے ہو کر جواب دیا۔ محبت اور پیار۔"

حسن میں ایک شہرۂ آفاق ایکٹرس اسٹیج پر اپنے غمزہ و ناز کے کرشمے دکھلا رہی تھی تماشائیوں میں ایک نوجوان کو جب یارائے ضبط نہ رہا۔ تو وہ کود کر اسٹیج پر ہی ایکٹریس کے پاس پہنچا۔ اور بوسہ کا خواسندگار ہوا۔

ایکٹریس نے خشم آلود ہو کر انکار کر دیا۔ اور جھڑک کر کہا۔ خبردار مجکو ذرا بھی ہاتھ لگایا

نوجوان۔ چھونے کا خواہشمند نہیں۔ میں تو بوسہ کا خواستگار ہوں۔

ایکٹرس۔ مگر بغیر چھوئے تو بوسہ نہیں لے سکتے ہو۔

نوجوان۔ میں لے سکتا ہوں۔ اور پانچ شلنگ کی شرط کرتا ہوں۔

ایکٹریس۔ بکتے ہو۔ بکتے ہو تم نہیں لے سکتے۔

نوجوان۔ اچھا۔ پھر شرط منظور کرو۔

ایکٹریس (تامل کرکے زور سے) منظور ہے۔

نوجوان نے ایکٹریس کو زور سے آغوش میں دبا لیا۔ اور سیر ہو کر بوسہ لیا۔

ایکٹریس۔ دیکھو۔ دیکھو تمنے مجھے چھو دیا۔

نوجوان۔ بہت بہتر۔ میں بازی ہار گیا۔ (اور نکال کر ۵ شلنگ حوالے کرکے کہا) یہ اتنے ہی کے تھے۔

۵۰

خواستگار۔ پیاری تمہارے حسن کو دیکھکر مشتری یاد آتی ہے۔

نازنین۔ اے کاش کہ زحل یاد آتا۔

کیوں؟

اس لیے کہ اس میں انگشتری ہے۔

۵۱

ننھی جیر الدین کو بائبل سے بہت دلچسپی تھی۔ اور اکثر گود میں کتاب کھول کر بیٹھی رہا کرتی تھی۔ ایک روز اسی حالت میں ماں سے دریافت کرنے لگی۔

اماں کیا بہشت مین آدمیوں کی شادیاں بھی ہوں گی؟

اماں :" بیٹا مقدس کتاب مین لکھا ہے کہ ایسا وہاں نہ ہوگا"

جیر الدین - تو پھر کہیں اور جاکر شادیاں ہونگی - ؟

اماں - نہیں بیٹیا - مین سمجھتی ہوں - کہ ایسا کہیں نہ ہوگا -

جیر الدین - (گھونسے سے کتاب بند کر کے) بس اب مین کہیں نہیں جاؤں گا صرف یہیں رہوں گا -

۵۲

ایک صاحب جن کی توند حدود تناسب سے متجاوز تھی کسی ستمگر کے دام محبت مین مبتلا تھے - اور چند بار شادی کی استدعا اور دولت کے سبز باغ دکھا کر خشک جواب پا چکے تھے -

ایک مرتبہ آخری بار التجا اور التماس کے تمام سامان سے آراستہ ہو کر آپ نے محبوب ستمگر کے قدموں مین سر ڈال دیا - مگر اس سنگدل کو پھر بھی رحم نہ آیا -

جب یاس و ناامید نے بدن کی طاقت سلب کر لی اور گھٹنے توڑ دیے تو آپ نے نہایت منت و زاری سے درخواست کی - اگر میری استدعا قبول نہیں کرتیں تو مجھے اٹھا کر کھڑا تو کر دو!

۵۳

طلبگار - پیاری روزا - میں تمہارے ہاتھ کا خواستگار ہوں -

روزا - اے واہ پہلے ابا سے درخواست کیجیے -

۵۴

بوڑھا شوہر - تم نے اس بات کی قسم کھائی ہے - تم تمام عمر مجھ سے ہی الفت رکھو گی

جوان بیوی - بے شک مجھے امید ہے کہ اب زیادہ جینے نہ پاؤ گے -

۵۵

نازنین :- کل شب جب میری نظریں دوسری طرف تھیں ایڈورڈ نے میرا بوسہ لے لیا -

سہیلی۔ آپ نے پھر کیا کیا۔
نازنین۔ پھر میں نے رات تک اس کی طرف نہیں دیکھا۔

۵۶

ڈائرکٹر۔ (تعلیم دیتے وقت) دوسرے کھیل میں تمکو ہیرو کو پیار کرنا ہوگا۔
فلم اسٹار۔ امید ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے کیا کرانا چاہتے ہیں۔ جسکا آپ ذکر کیا کرتے ہیں۔ وہ میرا شوہر ہے۔

۵۷

دلدادہ عاشق۔ افسردہ خاطری سے۔ پیاری تم میں اب وہ تبسم نہیں پاتا۔ جو ابتدا میں میرے لیے روح پرور ہوا کرتی تھی۔
معشوقہ۔ نہیں جیک یہ نئی قسم کا تبسم ہے۔ جو میں نے تھیٹر کی تعلیم میں سیکھا ہے۔

۵۸

نازنین۔ افسردگی سے۔ تم تو کہتے تھے کہ تم دنیا بھر سے زیادہ مجھے ہی چاہتے ہو۔
وہ۔ ہاں۔ ہاں۔ مگر اب میں نے زیادہ جغرافیہ پڑھ لیا ہے۔

۵۹

نازنین۔ وہ شخص کامیاب ہوتا ہے۔ جو پہلی فرصت میں موقعہ کو قبول کرتا ہے۔
وہ۔ بغل میں ہاتھ ڈال کر۔ میری کامیابی کی نسبت کیا رائے ہے۔
ہاں۔ مناسب۔ اگر ایک مہینے پیشتر ہاتھ بڑھاتا۔ تو کامیاب ہوتے۔

۶۰

کامیاب عاشق۔ پہلے بھی آپ کو کسی سے الفت ہوئی ہے؟
نازنین۔ نہیں جان۔ اس سے پیشتر یہ ضرور ہوا۔ کہ کبھی کسی کی طاقت کی مداح ہوئی۔ کبھی جرات کی معترف، کسی کے حسن کی دلدادہ ہوئی۔ اور کسی کی ذہانت اور ظرافت کی ثنا خواں۔ مگر تم سے تو پیارے محض مجھے عشق ہے۔

"میرے لیئے تم ہی دُنیا ہو۔ وہ چلّایا۔"

"اچھا جایئے۔ مجھے اب اطمینان ہے۔ تمہاری رفیق حیات بننا قبول ہے" اس نے ہنس کر جواب دیا۔"

۶۲

وہ۔ حیران ہوں۔ یہ کس طرح ثابت کروں۔ کہ مین تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔ نازنین۔ اس کا تردد نہ کیجئے۔ تمہاری محبت کا مجھے اقرار ہے۔ لیکن پریشانی اس امر کی ہے۔ کہ پاپا کو کیوں کر جتلایا جائے۔

۶۳

نازنین نے۔ قطع الفت، فسخ تعلقات اور جدائی کے وقت عاشق کہنہ کے اصرار پر دریافت کیا کہ آپ کو اپنے محبت نامے واپس لینے پر کیوں اتنا اصرار ہے۔ اگر تم کو کوئی اندیشہ ہے۔ تو مین یقین دلاتی ہوں۔ کہ مین عدالتی چارہ جوئی نہ کرونگی نوجوان۔ افسردگی سے نہیں اس کا خیال نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ایک صاحب فن سے ان خطوط کے لکھوانے مین مجھے ایک رقم خطیر صرف کرنی پڑی ہے۔ اگر میرے پاس رہیں گے تو امید ہے شاید بھر بھی کسی وقت کام مین آجائیں۔

۶۴

ماں۔ رات تم نے گیبرڈ کو کمرہ مین لیجا کر کیوں بوسہ لینے کا موقعہ دیا۔

بیٹی۔ اس لیئے کہ باہر تم بیٹھی تھین۔

۶۵

ایک۔ کیا۔ آپنے خبر سُنی ہے کہ استفکنس کے حبس دوام کا فیصلہ ہوگیا۔

دوسرا۔ پریشانی سے کیا؟

ایک۔ جناب وہ حبس دوام یعنی پابند شادی ہوگیا۔

۶۶

میسے۔ مین برس گذرے جب ٹام مجھے شادی کا خواستگار تھا۔ اور کہتا تھا۔

کہ اگر میں نے انکار کیا۔ تو وہ جان کھو دیگا۔

کیتھی۔ لیکن ابھی تو وہ زندہ ہے۔ کل ہی تو اُس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی۔ اور میں نے قبول کر لیا۔

میسے۔ شاید اس کا مقصد مردہ بشکل زندہ رہنے کا ہوگا۔

۶۷

بوسہ کی درخواست پر

معشوق	بس اب نہیں،	مجہول طور سے
عاشق	کیا اب نہیں،	حیرت سے
معشوق	نہیں اب نہیں،	تاکید سے
عاشق	یہ نہ ہوگا نہیں،	نفرت سے
معشوق	دفع ہو کہیں،	سختی سے
عاشق	نہیں ہرگز نہیں،	زور سے
معشوق	ہائے میں اُلجھ گئی،	بپھر کے
عاشق	آہ یہ ادا! بھاگئی	اضطراب سے

۶۸

عاشق۔ بس یہ ادا بھاگئی۔ جی چاہتا ہے بوسہ لے لوں۔

وفادار معشوق۔ لو تو جلدی سے لے لو۔ میں دیر تک اس ادا کو قائم نہیں رکھ سکتی!

مرو